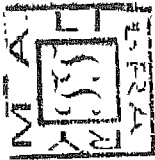


کاروانِ حسرت



حسرتِ نشروانی

AND TESTED

1915 231
J 2 0
2 2 1 1

81
270



CHECKED

24.5.02

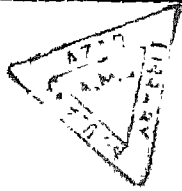


M.A. LIBRARY, A.M.U.



U27811

Handwritten signature or initials.



بائیں شجائے تقریب و تذکرہ

(افتر خامہ مولانا محمد عبدالشاد خان شتر علی)

انقلاب ۱۳۵۷ء نے دوسری چیزوں کی مانند ہندوستان کی ادبی زندگی پر بھی اپنا پورا اثر ڈالا۔ دوسری اساتذہ و
کی طرح غالب جیسے بگڑے روزگار فاضل کی شاعری بھی اس حادثہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ انکی شاعری کے دونوں
دوروں پر نظر ڈال جائیو تو ایک خود اندازہ ہو جائیگا کہ فطرت و مایوسی کہاں ہے اور امید و حوصلہ کہاں !
فاضل اسی طرح جیسے ۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر ایک خاص قسم کا خوف و ہراس اور سرکشی و
پروردگی چھا گئی ہے اور انکی زندگی کا ہر شعبہ جذبات کے تیل عرصے میں اس اچانک انقلاب سے متاثر ہے۔ ستمبر ۱۳۵۷ء
کو میری اس بہادر لیکن عیش و عشرت میں پڑ جائیو تو وہ بھی حال ہو چکا تھا۔ خواجہ الطاف حسین حالی کا مسندس قوم
کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ ہمارے شعراء شاہزادگان و امرا (مطلوع علی کی مجالس کے پہلے ہی سو روپے پر ہو گئے
تھے عیش و عشرت کی گودوں میں بیٹے ملے شاہزادے دیا دیا فیہا سے بھر گئے۔ دہلی بہانہ دے کر اور تاقہ دہلی کی تاقیہ
یا بی میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ گرو ویشی حاضر نہ ہوئے شاخوں کے سامنے یہی ایک موضوع سخن رہ گیا تھا۔ انقلاب
۱۳۵۷ء کے بعد فطرت نے بھی جگہ لے لی۔ اب شعراء کے دو ہی مقصد زندگی رہ گئے تھے یا تو حالی کی طرح قوم کی بے بسی
بدا علی اندر افسردگی کا دیوارہ بنے ہیں یا بادہ و ساغر شمع دہر وادہ گل و دہل طور و موسیٰ اور قیس دہلی کی کھاتوں میں اپنا
جی بھلا رہے اور سچ و واعظ کی گودی اچھال کر لہذا طبع میں "تقیض" کا موقعہ ہم بہہ رہے ہیں۔ دلی اور گنیمت کے رستوں کا
انبار دوسرے مکان کر رہے تھے اور اسی دور و اداس کی شاعری کا ہندوستان میں ہر طرف ڈھنگ رہا تھا۔

کاروان حسرت کا ابتدائی دور زندگی اسی ماحول میں گذرا انقلاب ۱۳۵۷ء کے چند سالوں کے بعد ہی انکی پیدائش
ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو نئی طور پر سپاہی تھا اور جی لحاظ سے قبول و حکمرانی کی گود میں صدیوں سے پرورش پا رہا تھا
ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کا اثر طبیعت پر پڑنا ہی چاہئے تھا۔ چنانچہ ہم انکی شاعری میں بھی وہ تمام چیزیں پاتے ہیں جو
اس دور کے دوسری شعراء کے کلام میں نظر آتی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے چند اشعار ۱۳۵۷ء میں انیم نمبر کے طوفانِ ہندوستان
ہو کر ۲ سال کی عمر میں موزوں کئے جن کو کچھ ۶۴ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ ان اشعار سے جہاں شاعری کی مصروفیت کا پتہ
چلتا ہے وہیں اس دور کی زبان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ہم بیکوں سے بغضِ فلک کو کس قدر
اک تھی نمودِ قبر سے بھی ڈبا دیا

عزیز نگہ مزار رُسیوں کا ایک تھا
کیا جانے خاک نے اسے کیوں بہا دیا
تھے آئینہ اس میں یسارِ نیکذات
حاکمِ کون کی بدل نے دل سے بھلا دیا
داؤد خاں دُخانِ زمانِ خانِ باصف
کسری کون کے عدل نے گویا جلا دیا
وکیل کے عیش چھوڑ کے سوئے تھے قبر میں
اے چرخِ تو نے ان کو وہاں بھی جگا دیا
اسی سال کا یہ شعر بھی اسی دور کی زبان کی یاد دلاتا ہے۔

یاد بخنی دل میں نری آہ بول پر جاری
لطف کیا باغ میں جا۔ بے تری میں ڈبایا
دو ایک شعر اور بھی اسی دورِ زبان کی یاد کا رنگ پر چڑے

پوچھتے ہیں حال زار مرا دیکھ وہ صنم
ہو کس جفا سرشت کے پالے بڑے ہوئے
ہاؤ دامن تیرے دل کی سیریں نہیں نہ کچھ
میرے ہدم قبر میں جھک کر لٹا کہنے لگے

تخلص | ابتدا میں عذرائے غم کی فریفتگی نے دامنِ تخلص رکھا دیا تھا، فریفتگی کے لئے حسرت و ارمان کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اس ۱۵ میں پختہ کاری کے بعد حسرتِ تخلص رکھا۔

یہ کچھ اشعار ابتدائی دورِ شاعری کے نقل کئے گئے تاکہ ہند تہج ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ البتہ ایک شعر اسی ۱۳۰۲ھ کا قابلِ داد ہے جو بار بار پڑھنے سے بھی لطف میں کمی نہیں ہونے دیتا۔

ہم پائمالِ ہجرِ عدد کا مہیا ہوا وصل
لے چرخِ دولِ نواز، ستم کی ہوا انتہا
حسرت بھی دوسرے شعراء کی طرح اس زمانے کی روش پر چلے اور گویا دور میں اس قسم کی شوخی
نازیبا معلوم ہوتی ہو لیکن اس وقت کا بڑے سے بڑا متین اور زاہد خشک شاعر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، شوخی ملاحظہ ہو۔

اشارہ صاف کرتی ہو کسی سینے کی موہنی
کہ جس جنِ قدرت اسی کا ٹھوس ٹولی ہو
حصولِ مدعا البتہ کوئی دن کی بات ہو حسرت
نکا ہیں لچکی ہیں گفتگو مطلب کی ہولی ہو

وصل کی شب ہائے وہ کہنا اترا
محب کو حسرت تو نے رسوا کر دیا
چرنا ہوں خود اپنے لبِ حسرت
کس کے بوسے کا ہے اثر باقی

حسرتِ دل کی کل جائز فی رائے کا ش
ایک ہی رات کو دل میں بیٹھے ہم تم با ہم
شب کو کتنا بغیر میں سویا کئے جو آپ
میں خواب ہی میں آپ کے بوسہ بیا گیا

مر گیا میں اب تو ہٹ پوری ہوئی
لومری جہاں اب تو کہنا ہو گیا

قنوطیت | جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۱۳۰۲ء کے بعد مسلمانوں پر عام طور سے خوف و ہراس اور ایووسی و اضطراب چھا گیا تھا اس اثر شعر ان کے کام پر بھی پڑا حسرتِ شروانی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

۱۳۰۶ھ

۱۳۰۷ھ

۱۳۰۸ھ

کچھ نہ دیکھی ہم نے تاثیرِ فضاں | رونے رونے اک زمانہ ہو گیا
گئے وہ دن کہ اپنا آشیانہ تھا جو گلشنِ یاس | نفس کو جھانک لینو ہیں بھی اہنہ بیاباں کو
کدھر ہیں کیا فی وِردی وِغلی | جہاں سے اُٹھے خاندان کیسے کیسے
تھا کبھی ادب پر نوجاہ و جلالِ مسلم | ہے زبانوں پہ لفظ اب تو حکایتِ نیری
کبھی کبھی قوم کو ناصحانہ انداز میں ابھارنے کی بھی کوشش کی ہے۔
ندموں پر شاہ دیں گے جہنم کا سر ہمارا | نبلِ وِج پر ہمارا جاہ و جلال ہو گا
غیروں کی کھٹکاسی باقی رہے گی کب تک | ابرو کے بل کی کبھی اپنا ہلال ہو گا
سر پہ ہیں جلاں آہن کی زیرِ پا بھی | جس کو کمال ہو گا اس کو زوال ہو گا
ہر کج نگو فرصت کچھ کام کر دکھاؤ | اوروں کے ہاتھ میں کل بیہ ڈال ہو گا
تقریباً سال نو میں ہو کاش وہ گھڑی بھی | حسرتِ ددوں کو چھل چھل حال ہو گا

ندرتِ خیال و شکستگیِ زبان | اب ایسے چند اشعار بھی ملاحظہ کیجئے جن میں زبانِ ندرتِ خیال، روایتی اور شکستگی کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔ ان میں سے بعض اشعار پر نو سر دھننے کو بھی چاہنا ہے۔

آئینہ بیکہ تصویر، نگاہِ مشتاق | جسے دیکھا تیری محفل میں وہ حیراں بھلا
حسرتِ یاس کا انبوہ، فضاں کی کثرت | میں تیری نرم سے کیا پاسِ دسماں بھلا
حسین روزِ افروز کی جلویِ رخِ صبے دلیرا | کس طرح ہر روزِ حسرتِ دلِ نیا پیدا کروں
دادیِ عشقِ تیری خارِ پیہرِ گلِ منتِ ریاں | اُس ہی ٹرہ کے مزادِ تخیل کو دشتِ نیری
جیا، نازِ پندارِ رعب و تعساف | تمھارے بھی ہیں پاساں کیسے کیسے
ہر گراں جاں کو ہے شوقِ جنسِ درد | کس قدر مستانِ سودا ہو گیا
دل سے رخصت ہوں سب متائیں | وہ سراپا حجاب یاد آیا
پھر کسی کی گلی کو جانا ہوں | دلِ حنا نہ خراب یاد آیا
گھو مناسے جویشِ دشت میں مثالِ چرخِ پیسر | تیرے در پہ جا کے دم لیتا جو ہوتے سر کے پاؤں
میری آنکھوں میں یہ پھرتا ہی جاں جانا ہوں میں | مجھ کو جیت ہے کہاں کہاں تیرے گھر کے پاؤں
قدمِ نیرا تو دم میرا، یہی آباد رہ سکتے ہیں | شبستانِ کو بیاباں کو چن کو بیتِ احزاں کو
ایک ہی کا حسن ہی جلوہ بنا کو میں ہیں | دوسرا تو جب کہوں جب سرا پیدا کروں

حسرت نے غزل کے علاوہ دوسرے اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ حسرت نامہ، چاندنی رات، برسات، اور تصویرِ عبرت، چائلیں بھی زیب دیوان ہیں بعض قطعات بھی لکھے جو مصلحتاً خارج کر دیئے گئے تصنیف و تالیف، مطالعہ کتب، اور تنظیم امور ریاست نے شاعری کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے۔ مددِ العمر کا حال یہ تین جزو کا مختصر دیوان اردو ہے اور تقریباً اتنا ہی دیوان فارسی ہوگا جو اس کے بعد طبع سے آراستہ ہو کر جلد شائقینِ ادب کے ہاتھوں میں پہنچے گا۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ حسرت کی شاعری ”جمیض“ کے بطور رہی جس طرح مختلف کھانوں کے ساتھ مٹنی لطف کا سامان جیسا کہ دینی ہے اسی طرح حسرت کی شاعری جو جم افکا اور کثرتِ کاری سرگرائی کو در کرنے والی رہی لیکن جو کچھ کہا ہے وہ فنی مقام، اور حشو و زوائد سے پاک و صاف ہے۔ بہت کثرت اور رطب دیا اس سے دیوان کا ضخیم ٹرہا دیتے۔ اس سے یہ کہیں بہتر ہو کہ کم کہا لیکن چچا نکا کہا۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مرتب کو انتخاب کرنے کی زحمت سے بچا مل گیا۔ اب یہ دیوان بلندِ حیلہ جوہری کی ایسی دکان ہے جس میں کوئی کم قیمت اور ناقص موٹی نہیں ہے بلکہ بیش بہا اصل و جواہر کی چمک دمک شاہِ دجہری دلوں کو قدر دانی پر مجبور کر رہی ہے۔

کسی فاضل کا مقولہ ”الشعر آخر العلوم“ اہل فن میں مشہور ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر حسرت کے اشعار پر نظر کی جائے تو اس کا صحیح مصداق ثابت ہوں گے۔ ہندوستان کی یکصد سالہ مستقل غلامی نے اس مقولہ کو ”الشعر اول اہل“ میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہر جاہل شاعرین چکا تھا بلکہ ہمہ دانی کے اصرار نے نہ صرف مطلق جہل بلکہ جہل مرکب میں اسے مبتلا کر دیا تھا۔ غلاموں کے لئے بیکاری کا مسئلہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا تھا کہ غلامی کی زنجیریں کاٹنے کی جدوجہد کے بجائے فضولِ شعر گوئی، پس وقتِ عمر بیکار گزارا جائے۔ اسی لئے ہر لوہوس کے شعر پرستی شعار بنا لینے کی وجہ سے ”آہرے“ شیوہ اہلِ نظر پر نگاہ رکھتے ہوئے آزاد و حسرت جیسے فاضل اس ”جنسِ اذال“ پر سے کنارہ کش ہو کر اس ادبی سے ملحق رہنا نہ سکے یہی وجہ ہے کہ آزاد کا اتنا مرہا یہ بھی نہیں مل سکتا جتنا حسرت کا ذخیرہ مل گیا ہے۔ اور حسرت کا ۶۴ سال کا ذخیرہ بھی ۶۴ صفحات کو پُر نہ کر سکا ہے۔

حسرت نے دو فی شاعری کی تکمیل استاد وقتِ ہنسی امیر احمد دہلوی سے کی مروجہ مکی وفات سے بعد یہ تصوف کے جانشین جنابِ حلیل، استادِ سلطانِ دکن، اور علامہ شبلی نعمانی سے داؤ سخن لینے پہنچے۔

حسرت کے اشعار کا دوسرے مشاہیر کے اشعار سے موازنہ بھی کیا جاسکتا ہے اور بعض اشعار پر بہت کچھ لکھا بھی جاسکتا ہے مگر اس کام کو کسی دوسرے صاحبِ نظر اور ماہرِ ادب کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک ایسے سامنے یہ حقیقت اشعار سے کہ تو کوئی نہ کوئی انگلیں بہارِ دامن بھرنے کی کوشش ہی کرے گا۔ پھر اس مختصر مقدمہ میں ہنسی گجانش کہا

نکلی سخی تھی کہ درخشِ ظلم کو بولا تا کا موقعہ دیا جاتا۔

ہم نے حسرت کے چند اشعار ایسے بھی نقل کر دیئے ہیں جو گذشتہ دور سخن کی یاد دلاتے ہوئے شوخی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اب حسرت کا کیا مذاق ہے یہ مضمون "اردو غزل" کے آخری دو نمبروں میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مضمون جوہم شامل دیوان کر رہے ہیں رسالہ اردو سے معنی کا پتہ ہمیں جلد ۱۲ نمبر ۲ ماہ اگست ۱۹۹۷ء میں ملے ہو چکا ہے جسے ۴۴ سال کا عرصہ ہو تا ہے حسرت اپنے بتائے ہوئے اصول پر کہاں تک کار بند رہے ہیں اس کا پتہ غزلوں پر پڑے ہوئے ۱۰ سال سے چل سکے گا۔ یہ مضمون کس قدر جامعیت سے لکھا گیا ہے اور کتنے ادوار ماضیہ پر اخصار کے ساتھ اس میں انصاف ہو گیا ہے اس کی داغ بیل حضرات ہی دے سکتے ہیں۔ اب سے دو سال قبل نینگ شروان پور کتب خانہ علی گڑھ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۵ء میں، جس نے مجلس انتظامیہ کی استدعا و اصول پر نواب صدر یار جنگ بہادر "پرایک مقالہ پڑھا تھا جو مجلہ صنعت علی گڑھ (جزوی ۱۹۹۵ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ جس نے کلام حسرت کے متعلق اس میں یہ اظہار خیال کیا تھا۔

"اردو فارسی کا علیحدہ علیحدہ ذخیرہ کلام دیوان کی ترتیب پر عیب گچ کتب خانہ میں موجود ہے، خدا کرے یہ ادبی جواہر پارے اشاعت پذیر ہو کر جلد از جلد ادبی شرح میں بھی اضافہ کریں مولوی صدق سے کئی کئی قیمت و شہرت حاصل کرتا ہے مولوی صدق میں بھی مولوی تھا رہتا ہے گردن لاپنی آب و تاب سے دنیا کو جگمگا سکتا ہے دنیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتی ہے"

خدا کا شکر ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرے پرایا کہ یہ اردو پوری ہوئی اور کاروان حسرت نے منزل شاعت پر آکر دم لیا۔

حسین الفاقی | امام الہدیہ مولانا ابوالکلام آزاد کا سن ولادت ۱۳۰۵ھ ہے اور زمیل خیال کی پہلی غزل بھی ۱۳۵۳ھ میں لکھی ہوئی ہے جسے خبر تھی کہ ان دونوں نومولودوں میں کوئی رشتہ نہ رہا تھا لیکن آج کے گاہ اور پورے ساٹھ سال کے بعد صاحب اولاد مولوی راشنار، "کاروان خیال" اور "بخار خاطر" کا "صدیق کرم" ہو گا۔

ولادت و تعلیم | حسرت شروانی ۱۲ شعبان ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۶۴ء کو اپنے آبائی قلعہ بہکین پور ضلع علی گڑھ میں پونہ صبح کتب خانہ سے عالم شہوہ میں آئے۔ انقلاب ۱۳۵۷ء کو صرف ۱۰ سال گزرے تھے، مطلقاً ہر عام طور سے جمود و یا یوسی غاری تھی، آپہنچے اسی ماحول میں آنکھ کھلی، عقیدہ ہوا تو عمر جیسے سخن خاں نام رکھا گیا مہوش سلیم لاؤ فائدہ دانی رولز کے مطابق مولوی سید حسن، ۱۳۵۷ھ - پوری نے اسے اسم اللہ، اکرانی،

ملے موصوف کا ذکر تذکرہ کمالان رمپور مولفہ حافظہ معنی خاں شوق اور انعامیادگار مولفہ منشی امیر احمد خانی ہیں بھی موجود ہے ۱۲

چند دن کے بعد جب صرف پارہ غم بڑھا کر آپ اپنے وطن چلے گئے تو میر فرزند علی ماہر دی نے قرآن شریف ختم کرایا، خط کی شش کرائی، اور بہار دانش نامک فارسی پڑھائی۔ سہ نظریوں نامک میر صاحب کے بعد حکیم سلیم اللہ ساکن محلہ بنی اسرائیل کول دیکھ لیا۔ اس نے پڑھا یا مولوی سید اکبر صاحب نے عربی کا آغاز کرایا۔ مولوی صاحب کی صحت ابھی نہ تھی اس لئے تعلیم کم ہو سکی، اور صرف کے فارسی رسالے صرف میر زبیدہ نامک پڑھا سکے۔ آپ کے بعد مولوی غلام محمد بنی تلمیذ مولانا لطف اللہ کا تقرر ہوا۔ خویش دستگاہ نام رکھتے تھے آپ نے شرح جامی نامک نحو، شرح تہذیب اور بدیع المیزان نامک منطق، مالا بدینہ، سنہ المصلیٰ، قاروری، اور کنز الدقائق فقہ میں پڑھائیں شرح جامی کی تعلیم میں پورا انتہام کیا تھا۔ ایک بار رامپور سے ایک مولوی صاحب آئے جو شرح جامی کے استاد سمجھے جاتے تھے آپ کے غم محترم مولوی محمد عبدالشکور خاں نے ان کو کتب میں بچنے کا امتحان لینے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے "حاصل محصول" کی بحث میں امتحان لیا واپس جا کر کہ "لو کا سمجھتا ہے" مولوی غلام محمد صاحب کے بعد مولانا عبدالغنی خاں شاکر درویش دستاؤ العالی مولانا محمد لطف اللہ کے قطبی، میر قطبی، مختصر المعانی، ہدیہ مسجد پورہ انتہام کاوش سے پڑھائیں مطالعہ کی سختی سے ناکید اور ترک مطالعہ پر تنبیہ ہوئی۔ فقہ میں ہدایہ آخرین کتاب لائبرین نامک، منطق ملاحسن نامک، اصول فقہ میں نور الانوار اور توضیح تلویح مفدمات الاربع نامک، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر میں جلالین، بیضاوی، سورۃ بقرہ نامک پڑھائیں۔ ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی ہوئی رہی بلکہ میں علی گڑھ پہنچ کر استاد العالی مولانا محمد لطف اللہ بکھنوی کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کیا۔ جہاں اللہ فاضل مہارک میرزا ہدیر سالہ (مع غلام بھٹی) مولانا سے پڑھا مثلاً قرآنی، سارٹ سے نوپارے، صحیح بخاری کے شیخ حسین عربیہ پالی سے پڑھے۔ باقی روایات کی سند عطا ہوئی۔ حدیث المتخاتان فی اللہ ان کی روایت حضرت پیر مرشد مولانا فضل الرحمن شیخ مراد آبادی قدس سرہ نے درج موصوف کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے پہنچی تھی اعطا فرمائی۔ چہل حدیث، شاہ ولی اللہ صاحب کی فارسی عبدالرحمن صاحب پانی پتی (تلمیذ شاہ اسحاق صاحب مرحوم) سے پڑھی۔ باقی روایات کی سند گئی۔ مکہ مکرمہ میں قاری سید عبدالرحیم صاحب کو (جو عمر اور قرا کے دور سابق کی یادگار تھے) کلام مجید پورا سنایا۔ مدینہ طیبہ میں قاری جن شاعر سے ان کا رسالہ قرا پڑھا، اخیر میں مسجد نبوی میں پڑھایا اور سند قرا، عطا فرمائی شیخ حبیب اللہ الشافعی سے حدیث "مصافحہ" و "مشاکہ" نیز دیگر روایات کی سند مرحوم شریف میں حاصل ہوئے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حرمین شریفین میں اس سعادت عظمیٰ سے ۱۳۲۷ھ میں سرفرازی کا موقع ملا جبکہ حیدرآباد لکھنؤ خاں ضلع پٹا ور کے باشندے اور رادات ترمذی سے تھے، مولانا محمد لطف اللہ بکھنوی کے شاگرد تھے، حدیث مولانا احمد علی مہارنپوری سے پڑھی تھی ولایتی ہونے کے باوجود اردو صاف بولتے تھے اسی وجہ سے محدث مہارنپوری کے درس میں قرائت بھی کر لیتے تھے حالانکہ دوسرے ولایتی طلباء کو زبان صاف ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں ملتی تھی۔ ۱۳۰

سے عہدہ صدرالعدوری سے سکدوشی کے بعد رج و زیارت کے لئے اجاب و اعزاء کو لے کر حجاز مقدس جانا ہوا۔ مولوی غلام محمد پنجابی کے تعلیم عربی کے زمانے میں ماسٹر عبدالرشید خاں ساکن علی گڑھ تعلیم یافتہ محمدن کالج سے انگریزی شروع کی جو ۱۸۸۸ء تک جاری رہی ۱۸۸۸ء میں باقاعدہ آگرہ کالج کے ہائی اسکول میں درجہ ہفتم میں داخلہ ہوا۔ ۱۸۸۸ء تک تعلیم جاری رہی، تعلیم اسکول کے علاوہ مسٹر ورن ہنڈ ماسٹر اور مسٹر کاکلی سکندر ماسٹر سے انگریزی ادب حاصل کیا۔ آگرہ سے علی گڑھ آکر مسٹر ہورسٹ ہیڈ ماسٹر محمدن کالج ہائی اسکول اور مسٹر کیسے ہنڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ سے ادب پڑھنے اور کھینے کی مشق کی چونکہ تعلیم عربی پر پوری توجہ مرکوز رہی اس وجہ سے انگریزی میں زیادہ ترقی نہ ہو سکی۔ سیاقی (بطریقہ حساب کا خدات ریاست) حبیب اللہ خاں ساکن بھیکن پور و حبیب گنج سے بیکھا جو اس فن کے ماہر تھے۔

خانہ دان حسرت خاندان شروانی کے چشم و چراغ ہیں جو لدھی اور غلڑی کے بھائی شروانی کی اولاد میں ہیں۔ سلطان بہلول لودھی کے وزیر اعظم عمر خاں شروانی جن کا خطاب مسند اعظم تھا مورث اعلیٰ ہیں، عمر خاں غلڑی کے خاندان میں کئی پشت تک سلاطین لودھی کی وزارت غلطی قائم رہی۔ ان کے لڑکے محمد خاں شروانی نے ۱۵۲۵ء میں ابراہیم لودھی کے زمانے میں علی گڑھ کا مشہور منصوبہ طرین قلعہ تعمیر کرایا جو اب مٹ کر محلہ بالائے قلعہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس کا نام محمد گڑھ رکھا تھا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں شروانیوں کا اقتدار ہما، شیر شاہ کے ہندوستان کی سلطنت پر قبضہ اور چاہوں بادشاہ کے اخراج سے منغل سلاطین پٹھانوں کے مخالف ہوئے اور فوج سے خارج کر کے آلو آوارہ کر دیا، اکبر بادشاہ اور شاہجہاں کے عہد میں پٹھان دہلی سے نواح علی گڑھ میں آئے اور زمینداریاں قائم کیں، حسرت کے پردادا محمد باخاں شروانی بڑے نامور بزرگ گذرے ہیں، جو دو سخاوت اور شجاعت و بسالت میں دور و نزدیک مشہور تھے۔ شروع صدی انیسویں میں علاقہ بایں۔ اور چوراسی پر مستقل قابض و متصرف ہوئے، ۱۲۳۵ھ میں حج و زیارت کے لئے جاتے ہوئے بڑودہ کے مقام پر رحلت ہوئی، وہیں مدفن ہیں، حسرت بھی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل کر آئے ہیں، ان کے بڑے لڑکے حاجی محمد داؤد خاں تھے جو نواب بہادر محمد مزل اللہ خاں شروانی کے دادا تھے، یہ اپنی دینداری، نبیاضی اور کتبہ بروہی میں مشہور تھے، ۱۲۸۵ھ میں عالم جاودانی کو کوٹ کیا، شاہ مقبول عالم مارہروی نے قلعہ تاریخ لکھا۔ ”ہم گئے داؤد خاں جنت مکاں“ مصرع تاریخ ہے۔ اسی قلعہ کا ایک شعر یہ ہے۔

دیکھئے کیا حال بھیکن پور ہو

اس جگہ تھے دین و دولت تو امان

ان کی صداقت و دیانت کا اس قدر شہرہ تھا کہ لارڈ ولیم بینٹنک گورنر جنرل ہند سے ان کو آگرہ کا صدرالعدور

عہدہ سے بھیکن پور کے بجائے یہ شرف حبیب گنج کو حاصل ہے ۱۲

مقرر کیا۔ اس وقت ہندوستانیوں کے لئے یہ عہدہ معراج کمال تھا جب تک عہدے پر رہے کسی مسلمان کی ہڈی کی ڈگری مسلمان پر نہیں کی، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ اجلاس پر چلے گئے، کچھ عرصہ بعد مستعفی ہو کر ۱۸۴۲ء میں ج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بہادر کی ویت کا یہ عالم تھا کہ علیگڑھ کا انگریز ڈسٹرکٹ جیسٹریٹ جو موصوف کو حاجی بابا کہتا تھا اور بنایت درجہ عزت کرتا تھا۔ انقلاب کشمیر کے پرمحول دور میں جیکسن پورہ کے بل پیر آکر بیٹھ جاتا ہے، موصوف ملنے گئے اور اپنے دو بھتیجیوں محمد تقی خاں صاحب (والدہ حسرت شردانی)، ہادی بارخا صاحب رئیس دادول، اور ایک بھائی فیض احمد خاں صاحب رئیس دناولی کی سفارش کی یہ تینوں عزیز مراد گڑھ جنٹ کے رائفیل کی دستیابی کی بنا پر گرفتار کر لئے گئے تھے، اگرچہ میں جب اس کا ہنگامہ لوثا گیا تھا تو سامان میں رائفیل تھا جو ان میں سے کسی نے حاصل کر لیا تھا۔ ڈسٹرکٹ جیسٹریٹ نے رہائی کی گنجائش کو تسلیم کر لینے سے معذرت کی تو خاں صاحب نے یہ توفیق یزدی لاجول ولاقوۃ الابا سے پڑھتے ہوئے فرمایا کہ شیطان نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ اگر میں اتنی حاجت سے اپنے پروردگار سے عرض کرتا تو وہ ضرور سناتا۔ یہ کہہ کر انھیں گریہ پڑے۔ خد سے رجوع کیا اور بفضل یزدی تینوں رہا ہو گئے۔ اسی ڈسٹرکٹ جیسٹریٹ کے ہنگام میں خاں صاحب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لہبا جوڑا انگریز برابہر کے کمرہ سے داخل ہوا۔ جیسٹریٹ نے تعارف کرایا، اگر ٹیل نے خاں صاحب کے چہرے کے نیچے تلوار دیکھ کر مٹھ بنا کر کہا کہ ”ہم نے پٹھان کی تلوار بہت دیکھی ہے“ خاں صاحب پریشان کر آگ بگولہ ہو گئے اور تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ دیکھ پٹھان کی تلوار! جیسٹریٹ گھبرا گیا اور گریل کو تلوار وہاں سے ہٹا دیا اور خاں صاحب سے کہا کہ ۱۸۴۵ء کی جنگِ فغانستان میں اس کے سامنے سیویا بچے مار دیئے گئے ہیں اس کا دماغ ماؤف ہے بڑی مشکل سے خاں صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

حسرت کے جدِ امجد محمد خان زمان خاں امور ریاستیں، امیر اور شاہ عبدالنور، برصغیر دہلی سے معیت تھے مولانا شاہ محمد اسحاقی محدث دہلی سے مسائلِ اربعین رسوم شادی و عہد سے متعلق کھم کر شردانی خاندان کی اصلاح کی جو ایک صدی سے اس ملک قائم ہے حسرت کے والد ماجد محمد تقی خاں صاحب نے انتظامِ ریاست برادر گرامی محمد عبدالخالص صاحب کے پروردگار کے بھیکن پور سے چار فرلانگس کے فاصلہ پر جانب مشرقی موضع کھلاؤلی میں ایک ہندو مقام پر گڑھی بنوائی جو فرزندِ دلہند کے نام پر جیب گچ سے موسوم کی اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

”تطبیح امور ریاستیں“ حسرت کی تعلیم کا سلسلہ ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۸ھ میں ختم ہوا۔ گھر آکر ریاست کا کام سیکھنا اور دیکھنا شروع کیا، علاوہ ہر روزی میں اکثر پیام رہا۔ عزم کی نگرانی رہی، کاشتکاروں کی آراہنی اور اسکے پیداوار دیکھے، کچے کے کھیتوں کی مساحیں کیں، ٹیل کا کاروبار فروج پرکھا۔ اس کی کاشت کرانی، مال تیار کر لیا، بھوکھٹا بھی، خود بھی آبست۔ اسی سلسلہ میں کاشت کا سفر کیا، ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۴ھ میں والد مرحوم کے انتقال کے بعد بھی عزم کی نگرانی میں کام

مثل سابق جاری رہا۔ ۱۹۷۶ء مطابق ۱۳۲۵ھ میں اثنا عشر جہاز میں مراجعت کو وقت جدہ پہنچ کر عم محترم کی رحلت واقع ہوئی۔ اس وقت اعزاء و حکام کی مختلف مشاورت کے بعد کل مشترکہ ریاست کا کام حسرت کے سپرد ہوا۔ عم محترم نے سوئی ڈھن تین لاکھ ریاست پر چھوڑا تھا جس کا سود ۹۷ اور ۱۰۰ لاکھ روپیہ برادر عزاد عبد الجلیل خاں کے ذمہ تھا، حسرت نے اپنی منیظر لیاقت و فراست سے نہ صرف یہ کہ سارا فرض چھ برس میں ادا کیا بلکہ وہ تمام امور پر جو عم محترم اپنی فیاضی و سیرجینی سے عربی و غیر عربی مدارس اور خدمت اہل حاجت و غیرہ پر صرف فرماتے تھے بدستور جاری رکھے بعد میں نواب بہادر محمد منزل اللہ خاں کی نالشی میں یہ مشترکہ جائداد تقسیم ہوئی۔ نواب صاحب نے اپنے فیصلہ نالشی میں حسرت کی دیانت و لیاقت کا اعتراف کیا بعض جائدادیں زمین رکھ کر سودی فرض اپنے پاس ہی ادا کیا اور اپنا فرض باسود و محاسن مدنی سرریزہ وصول کر کے جائدادیں و اگزار کیں اس خدمت خلق میں ایک لاکھ فرض سودی مزید دیکھا۔ دیلوٹوں میں مسلمان، سنی، شیعہ اور ہندو بھی تھے۔ اپنی ذاتی جائداد کا انتظام اس طرح کیا کہ اس میں وادھانا نہ ہو جس کی قیمت کم و بیش ۶ لاکھ روپیہ ہوئی۔

تعمیل اشواق حسرت کی زندگی تمام تر والد ماجد و عم محترم کی تربیت کی ریں منت ہے۔ والد مرحوم کو مردانہ فنون، بوٹ، لکڑی، ورزش، گشتی اور بندن کے شکار کا شوق تھا۔ ان تمام چیزوں میں حسرت نے بھی دخل پیدا کیا، آج بھی ۸۰ سال سے مجا و زعمر ہو جانے پر قدم قائم ہے۔ والد مرحوم کو اردو ادب سے بھی ذوق تھا، شروع میں حسرت کو غالب کی انشادوں سے متعلق پڑھے تھے، لے "غایت کی" اسی سے "ادبی ذوق کی نشوونما ہوئی۔ موصوف نے "سرہائے عشق" فراہم کر کے شان و کراچی بھیجی جس میں سر سے پاؤں تک تمام اعضائے متعلق اساتذہ کے اشعار جمع کئے تھے اس کا قلمی نسخہ کتابخانہ حبیب گنج میں موجود ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد پہلی جاتے، وہاں کے عمائد مشلاً مفتی صدر الدین خاں آزرہ اور حکیم حسن اللہ خاں وغیرہا سے ملنے کا اتفاق رہتا، اس وجہ سے خور و نوش، نشست برخواست، لباس ذوق صحبت میں پورا اثر دینی کی محبت کا تھا۔ حسرت جہاں ادب آردو، شکار، لباس خور و نوش اور فنون مردانہ کا شوق والد مرحوم کی تربیت کا نتیجہ ہے اور علم عربی کی تحصیل، انتظام ریاست اور مذہبی پابندی عم محترم کے فیض صحبت کا ثمرہ ہے۔

والد مرحوم کے عطا کردہ نسخہ "اردوئے معلیٰ" نے حسرت میں وہ شوق سطا لکھ کتب پیدا کیا کہ رفتہ رفتہ اس نے تقریبات ہزار کتابوں کا ذخیرہ جمع کرادیا، جن میں دو ہزار سے زائد قلمی نسخے ہیں، ان میں بعض نادر الوجود، بعض اہم خصوصیات کے حامل اور بعض عظیم المثال ہیں۔ مولانا احرار "جو شوائف فانی کے تذکرے میں بواب تک تحقیقات کے مطابق اس کا دوسرا نسخہ دنیا بھر میں کہیں نہیں ہے۔ یہ کتاب خانہ نصف صدی سے زیادہ کی تلاش کا سرمایہ ہے۔ اس میں ایک نسخہ بھی سرقد یا ناجائز ذریعہ حاصل کیا ہوا نہیں ہے اور صرف حسرت ہی کا جمع کردہ ہے۔

ایک متقل عمدہ عمارت میں محفوظ رکھ کر کثرت مطالعہ کی حسرت کو صاحب تصنیف و تالیف بھی بنا دیا بیسیوں تالیفات ہیں جن میں علماء و سلف اور تابعینا علماء کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ ابھی حال میں مقالات شروانی کے نام سے قریباً پانچ سو صفحات کا مجموعہ مصنفین شائع ہوا ہے جو حقیقت میں جہت ان علم ہے جس میں ہزاروں ختم کے رنگ نہ رنگ بھول کھلے ہوئے ہیں۔ اس مجموعے سے حسرت کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ، انتقامت خیال، بختیاری اور اصابت رائے کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

قیام حیدر آباد انواب فیصلت جنگ مولانا ابوالحسن خاں کی رحلت کے بعد میری ۱۵/۱۶ء مطابق ۳۳/۳۴ء میں حیدر آباد (دکن) میں صدارت امارت شرعیہ کا عہدہ نظام سرکار کی طرف سے پیش کیا گیا اور ۱۳ سال تک صدر الصدق رہ کر خدمات شرعیہ انجام دیکر ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء کو استعفا دیا۔ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ء مطابق ۲۳/۲۴ء کو انواب صدیر جنگ بہادر کا خطاب سرکار نظام کی طرف سے ملا۔ حیدر آباد سے آنے کے بعد حج و زیارت کی تعداد سے ۳۳/۳۴ء میں مشرف ہو کر اب سارا وقت یاد الہی، مطالعہ کتب انتظام ریاست اور اصدقاؤں نوازی میں گزرتا ہے۔ ہندوستان کے تمام قابل ذکر تعلیمی و علمی اداروں کے رکن و عہدیدار رہے ہیں اور۔۔۔ اب بھی ہیں 'اولاد' جائداد، ادواج، اور فراغت قلب و دماغ کے لحاظ سے خوش نصیب ہیں بخاندان شروانی کے درخشندہ افتخار اور مشاہیر ہندوستان میں ماہتاب ہیں اور اس دو نقطہ الرجال ہیں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے "صدیقِ مکرم" ہیں۔ رتقنا اللہ بطول بقائہ

اب تک دنیا انواب صدیر جنگ بہادر کو ایک اولو العزم رئیس پابند وضع قدیم بزرگ جید عالم بلند پایہ ادیب، ماہر علوم مشرقیہ فاضل، مذہبی نقاد، لائق مصنف اور وسیع النظر مورخ کی حیثیت سے جانتی اور چھپاتی رہی ہے۔ ان سے قریبی تعلق رکھنے والے بھی اس صفت سے تادقف ہوں گے کہ موصوف ایک خوش گوشا غرضی ہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان کے مشہور شاہو حسرت موبانی کے علاوہ کوئی حسرت شروانی بھی ہے جو نہ صرف عمر کے سن و سال بلکہ شاعری کے لحاظ سے بھی اول الذکر سے قدیم الایام ہے۔ اور خدا جلنے یہ وصف کب تک پردہ خفا میں رہتا اگر بار بار کامیہ اصرار موصوف کو ادھر متوجہ نہ کرتا۔

محمد عبدالشہید خاں شروانی

ادارہ علمیہ محمد علی روڈ، علی گڑھ

یکم محرم الحرام ۱۳۶۶ء مطابق ۵ نومبر ۱۹۴۵ء

اُردو غزل

غزل، نظم کا ایک ضروری جز ہے اور جو لطف دہ اپنی نوعیت خاص سے دل کو بخشی ہے، وہ قطعاً شنو یا قصیدے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ غزل کو ایک ایسی کبیاری تصور کیجئے جس میں رنگ رنگ کے خوشنما پتوں کھلے ہوئے ہوں، اور ہر پھول کی دلفریبی دہنل کو اپنی طرف کھینچتی ہو۔ جو لطف خاص ان کبیاریوں کے دیکھنے سے حاصل ہوگا وہ ان کبیاریوں کے نظارے سے حاصل نہیں ہوگا جن میں ایک ہی طرح کے پھول ہوں، نقش انسان کی زندگی کو گوارا رکھنے کا ایک ذریعہ ہے میسر پر ایک شتم کا کھانا میسر بانوں کے سامنے لایا جاتا رہے کیسا ہی مزیدار کھانا ہو۔ دو وقت متواتر کھلا کر مہالوں کے چہرے دیکھئے کہ میسر پر وہ تلکشی و رغبت کس آئے ہیں یا بدلی اور افسردگی کے ساتھ۔

جس طرح فارسی شاعری کی ابتدا عربی شاعری کی انتہا سے جالی ہو اسی طرح ابتدا کو اردو شاعری انتہائے فارسی غزل سے ہمہ دوش ہو۔ سچ علی حزیں اور میاں ولی کا ایک زمانہ ہے۔ اگلے اساتذہ اُردو کبھی کبھی طرح بھی فارسی غزل کی انتخاب کرتے تھے۔ مثلاً :

فارسی سے گرفتیم بجاناں سرا ہے گاہے او ہم از لطف نہاں اشتہا ہو گاہے
اُردو سے سرسری آن کو ملاقات ہو گاہے محفل غیر میں گاہے سرا ہے گاہے
اُس زمانے کے اُردو کے استاد اُردو فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر متقدمین (بلکہ بعض متاخرین) نے اُردو فارسی دونوں دیوان مرتب مدون کئے۔ اس اختلاط اور ربط و ضبط کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ فارسی غزل کی پسروی اُردو غزل کرے۔ اور شیراز و صفہان کے ترانوں کی صدا دہلی اور لکھنؤ کے مشاعروں میں گونجے۔ تم اُردو شعرا کی کتنی سخی اور قوت بیان کی جس قدر چاہو تعریف کرو۔ لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ علم و فضل میں کامل نہ تھے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے دماغ پر

زبردست اور پُر قوت نہ تھے کہ ایجا وواختراع پر قادر ہوتے۔ ایجا وکا دروازہ بند تھا تو تھیلہ کی شاہ راہ کھلی ہوئی تھی۔ جو مضامین انھوں نے فارسی غزل میں دیکھے انھیں کو علوم متعارفہ قرار دیکر اردو غزل کی شکل پیدا کی۔

غزل میں چار چیزیں ہو سکتی ہیں 'مضمون'، 'خیال'، 'زبان'، 'طرز ادا'، اردو غزل میں مضامین قریباً فارسی غزل کے ہیں خط وخال، زلف وکمر، ناز وکینہ، وحشت وافر دگی، شکستگی و خشکی، منع وپردانہ، بے لعل وگل، قیس و لیلیٰ، اور فرہاد و شیریں، یہ تمام مضامین فارسی غزل کے ہیں۔ اور اردو غزل کی بڑا بھی اتنی ہی ہے۔ خیال کی ترقی اور وسعت قوت وماغ کے تابع ہے جو مہارت علوم سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ مہارت علوم اردو شعرا کے حصے میں نہیں آئی۔ لہذا قوت خیال کے کمر نہ ہو اردو غزل میں بہت کم ہیں۔ اب صرف دو چیزیں رہ گئیں۔ ایک زبان دوسرے طرز ادا! بس انھیں دو میدانوں میں اردو کے جوہر کھلتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کی آپ دیکھ کر جوہری حیران شدہ رہ جاتے ہیں۔ میرومتر اسے لے کر ذوق وایستہ تک بلکہ داغ وایستہ تک نظر ڈالو وہی خیال و مضمون پاؤ گے۔ فرق ہے تو زبان اور طرز ادا کا۔ ایک ہی خیال و مضمون پر سو ساری کے تغیر سے جو اثر پڑا ہے وہ البتہ مختلف طبقوں میں محسوس ہوتا ہے مثلاً مصحفی و جرات کے یہاں مستی اور ہندی پاؤ گے۔ متاخرین کے یہاں نہیں ہے۔

فارسی غزل کو دیکھو۔ مضامین اس میں بھی قریباً مٹی ہیں، لیکن یہاں سے وہاں ایک بات زائد ہے، یعنی خیال۔ اس خیال کی نیرنگی نے غزل فارسی کو ایک ایسا شاہدِ رعنا بنا دیا ہے۔ جس کے جلوؤں کی انتہا نہ ہو۔ جب دیکھو ایک نیا جلوہ دیدہ افروز ہوگا۔ اور پہلا جلوہ دوسرے سے اتنا ممتاز ہوگا کہ یہ سمجھنا مشکل ہو جائے گا کہ آیا یہ وہی آفت روزگار ہے جو پہلے جلوہ گر تھا یا اور ہے مولانا روم، عطار، سعدی، خسرو، حافظ، فتاحی، شفا، ظہری، عرقی، ملک قنوی، ظہوری، طائب آملی، اور حجاز کے کلام کو غور سے دیکھو تو صاف صاف عیاں ہو جائے گا کہ ہر چند یہ سب رباعیات سخن ایک ہی آسمان کے تار سے ہیں لیکن ان کے بروج و منازل ایک دوسرے سے اس قدر بعید و

متفاوت ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ ع

ہر یکے را آسمانے دیگر است !

ایک کی روشنی کا رنگ دوسرے سے آنا ممتاز ہے کہ ہر ایک کو دیکھ کر مباحثہ زبان سے نکلتا ہے کہ یہ نیارنگ ہے۔ یہ خیال کی وسعت و بزرگی ان کے علم و فضل کا کرشمہ تھا۔ شفا کے کمال فلسفہ کو میر یاقوت داد دے مانا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ستہ ہو سکتی ہے پچھلی چند صدیوں میں بہت کم فضلا ایسے ہوئے ہوں گے جو لاحامی کے ممنون احسان نہ ہوں۔ معدی کے کمال کا سلسلہ اس مرتبہ تک پہنچا کہ جو لب و لہجہ علوم کے دریا بہار تھا یعنی نظامیہ بغداد اعلیٰ ہذا القیاس غزل فارسی میں جس چہرے سنور محشر پر پا کر رکھا ہے وہ تصوف ہے۔ فارسی غزل گو یوں میں بہت سے با کمال ایسے ہوئے ہیں جن کے سینوں میں عشق کی حقیقی آگ شعلہ زن تھی۔ یہ شعلے جب منہ سے باہر آئے غزل کہلائے۔ خواجہ سنائی مولانا کے روم، شیخ عطار، شیخ نعمت اللہ ولی، سید قاسم انوار دس سرزمین وہ بزرگ ہیں۔ جو نرم نس اور آئین سخن دونوں کے صدر نشین تھے۔ ان سے نیچے چلے ہیں باعتبار تصوف سعدی، خسرو، جامی وغیرہ ہیں۔ ایک طبقہ وہ تھا جو نظامیہ اہل باطن نہ تھا لیکن قوت خیال کی مدد سے تصوف کے جوہر نکلا ہیں چمکا گیا۔ مثلاً نظیری کہلائے اردو میں میر درد علیہ الرحمۃ ایسے گہرے ہیں جو عشق حقیقی کے لذت یا نہ لکھو ورنہ بہت سے ایسے تھے جن کو غائب عشق مجازی سے بھی مناسبت نہ تھی۔

فارسی غزل کو جس پائے کے مرنے لے وہ اردو کو کہاں نصیب ہوئے میر علی شیر اور مرزا عبدالرحیم خانخاناں تو بہت اعلیٰ مثالیں ہیں کم و بیش ہر ایک دربار باقاعدہ مرنے لگا۔ عہد محمود سے زمانہ شاہجہاں تک ملک الشعراء دربار کا ایک باضابطہ رکن نظر آتا ہے۔ فرماؤ اکاثر شعرا کے دماغ پر کیا پڑتا تھا اسکو دیکھنا چاہئے ہونو فیضی، طالب آملی، کلیم بھٹائی کو دیکھو۔ اگر کی جامعیت، بھائیگر کی رنگینی، شاہجہاں کے زہد کا جلوہ ان کے کلام میں دیکھ کر تم بھان لو گے کہ کون کس کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔

اردو شاعری کو مرنے نہ دلی میں ملا نہ لکھنؤ میں۔ دربار دہلی میں سخنوری تھی، احوصلہ پیدا کرنے کا ساز و سامان نہ تھا۔ دربار لکھنؤ میں دولت تھی، دلیغ سخن نہ تھا۔ کمال سلطنت کے زمانے میں شاعر کمال فن و شیخ و

دشمنِ غربت کی خاک چھانٹا پھرا۔ البتہ دونوں جگہ کی سوسائٹی میں جان تھی۔ جو کچھ ہے اُسی کی برکت ہے۔ دربارِ باندرہ اور رامپور بھی کچھ جھلک دکھلا گئے۔ لیکن تربیت فن کچھ اور ہی اسباب چاہتی ہے۔ جید رباب اور خدا اسکو آباور کئے، غالباً اس غرض کے واسطے موضوع نہیں ہوا۔

قصہ مختصر اسباب جو کچھ ہوں غزل اردو میں خیال بہت ہی محدود اور کمزور ہے اور اسکو دوست اور ترقی دینے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو غزل اردو لکھے وہ پریشان روزگارِ خیدہ کمر دیوتا افسردہ دلِ زندگی سے نیراز ہجرانِ نصیب ہی ہو یہ کیا فرض ہے کہ جس پر اردو شاعر غریفیت ہو وہ زلمے بھر کا عیارِ ازلی ظالم ہو فنا ہر جانی، غرض صفاتِ مذمومہ کا مجموعہ ہو کیا سخن سرائی زلف کے بیجِ دمِ اردو میں اسی گم ہو گئی کہ اب اسکو وہاں سے نکلنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ اگر جھلساں میں لذتِ درد ہے تو کیا وصل میں لطف و نشاط نہیں پھر کیوں اس کو برباد ہی رکھا۔ کیا لازم ہے کہ جب صبح ہو تو دنیا مست ہی آئے کیا وہ صبحِ عالم امکاں میں نہیں؟ جو سرور وصل سے سرشارِ دماغ پر جلوہ گستر ہو کیا واجب ہے کہ ہم بھی وہی ادا ہیں دیکھیں جوان آنکھوں کو نظر آئیں جو ایک سانس میں بارہ سو سے زائد ڈیڑھ سیٹے تھکے کیا شیخِ جی کی بگڑی اتار کر دھول جمانے کے سوا اور کوئی دل لگی دنیا میں نہیں رہی جو ہم بھی طبیعت کو خوش کرنے کے واسطے شیخِ جی ہی کی تلاش کرتے پھر ہیں۔

خلاصہ کلام! خیال کو تقلید کے دائرہ تنگ سے نکالنا چاہئے۔ جو جس عالم کا جلوہ دیکھے، اسی کا جلوہ دکھائے۔ ہاں آناؤں کی خیال کے یہ معنی نہیں کہ گھوڑے کی لگام اتار کر اسکو پھوڑ دو کہ بالوں کی طرح بھاگتا پھرے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اُستاد چاہک سوار کی تعلیم کے بعد گھوڑے اپنی اپنی رفتار کے جوہر دکھاتے ہیں اسی طرح تربیتِ آشنا اور بانلاق خیالوں کو اپنا اپنا رنگ دکھائیگی اجازت دو۔ یہ اصرارِ مست کر دو کہ بڑے میاں سر ہلاتے ہوئے قدم قدم گھوڑے کو لے گئے تھے۔ لہذا ہم بھی اسی ہیئتِ کدائی سے اسی رستے پر انھیں کے نقش قدم پر چلائیں گے۔ روشِ رفتار دیکھوان سے، جلو ان میدانوں میں، جو تمھاری نگاہ کے سامنے ہیں۔

”پائے مرالنگ نیست ملک خدا تنگ نیست“

شعراے فارس کو جو موقعے وسعت خیال کے ملتے گئے۔ اُن سے وہ خوش اسلوبی کے ساتھ نفع اٹھاتے رہے۔ عہد غزنوی و سلجوقی کی معرکہ آرائیوں کی یادگار تین چشم کمال ابرو، تیز نظر، ترک چشم، فارس کی دلفریبیوں کی بہار، گلزار کے تلازمے، میخانے کے لوازمے، آتشکدوں کے پرکالے، ترسا زادہ، مہنچہ، ہندوستان کا خراج، بتکدہ، بیت و صنم، برہمن، سومناٹ، زتار، ہرشکال، سنی، ہندو خیال شاعری کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دو ہاتھ کا ڈورا (ڈنار) کیسے کیسے دل کش و دلفریب تماشے دکھلا گیا۔

جب یہ حالت اساتذہ فارسی کی رہی تو کیا وجہ کہ ہم اس عمدہ صفت میں ان کی پیروی نہ کریں جو میدان معرہ بی روشنی نے ہم کو دکھائے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے گل بوٹے سے ہم کا شانہ ادب کو آراستہ نہ کریں جبکہ باغوں میں صد ہا پھول دل ربایانہ انداز دکھلا رہے ہیں تو کیا سبب کہ ہم دامن خیال میں گل ویا سن اور لالے کے سوا اور کوئی پھول چن کر نہ رکھیں۔ گلاب جب پاکیزہ رنگ میں جلوہ فرما ہے تو ہم کیوں صرف گل سرخ کے بلبل بنے رہیں۔

اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارے غزل گو بھاکھاکے لٹریچر سے واقفیت حاصل کریں اور اس کے مضامین لطیف کو سلیقہ اور تیز کے ساتھ اردو میں لائیں۔ بھاکھا میں محبت کے بعض مضامین ایسے لطیف اور پاکیزہ ہیں کہ ذوق سلیم کو آئینہ حیرت بنا دیتے ہیں۔ نقصوف کی روح اردو غزل میں پھونکنی چاہئے۔ جو دل و دماغ اس بادۂ مرد افکن سے سرشار نہ ہوں وہ خواہ میر درد، شاہ نیاز احمد صاحب، اور شاہ نواب علی صاحب کے دیوان دیکھ کر جوش بیان خیال کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ یاد ہے کہ توکل و قناعت وغیرہ کے وہ مضامین جو قال میں آکر آدمی کو سخت کر دیتے ہیں اور پانچ بنا دیتے ہیں ہرگز مسائل نقصوف نہیں اُن سے استخراج چاہئے۔

ایسے مضامین اور الفاظ سے پرہیز لازم ہے جن سے امر دیرستی کا رنگ جھلکتا ہو فارغا اور اردو غزل کا کردہ، وہ حق ہے جو مضامین امر دیرستی کا جلوہ دکھلاتا ہے۔ رقابت کا منہموم بھی جہاں تک ممکن ہو کم کرنا چاہئے۔ اس کی لئے اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بے حیثی کے درجہ تک

پہنچ گئی ہے۔ ایک اور حصہ ہے جو قابل حذف ہے، یعنی شکایتِ زمانہ، آسماں کو گایاں دینا، اپنی حالت کو یاس کے مرتبے میں خوار و خستہ ظاہر کرنا یہ مضامین جو ہر مردانگی کو مٹاتے اور دلوں میں افسردگی پیدا کرتے ہیں اور اس زمانے میں ہر دلوں کو ابھارنے اور ان میں امنگ پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے) بالخصوص ان مضامین کو یکفکلم، قلم زد کر دینا واجب ہے۔ وہ مضامین بھی جن سے انبیاء کی توہین اور محترمانہ کی تحقیر ہوتی ہے ضرور ترک کر دینے کے لائق ہیں یہ مضامین، دل میں سوؤ ادب اور بدزبانی کی خصلت پیدا کرتے ہیں۔ اور اس طرح انسان ایک عمدہ صفتِ ادب سے محروم ہو جاتا ہے۔

آخر میں یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ زبان اور اصولِ نظم میں ہم کو اساتذہٴ فن کی تقلید لازمی طور پر کرنی چاہئے اور جو رحمت اس میں ہو اس سے بچنے کے لئے فضول جیلے نہیں ترشنے چاہئیں۔ انتخابِ مضامین اور ان کو ادا کرنے میں ذوقِ سلیم اور خوش اسلوبی سے کام لینا چاہئے۔ یہ نہ تو کہ خس و خاشاک کا انبار، چنستانِ غزل میں کر دیں، اور اس کی مزخرف صورت دیکھ دیکھ کر محض اس خیال سے خوش ہوں کہ ایک نئی شکل نکل آئی۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئاً شد از جمال روئے تو
دست بکشتا جانب زنبیل ما آفریں بردست ہر بازوئے تو

کاروانِ حسرت

یعنی

دیوانِ اردو

نواب صدیار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں حسرت شروانی

مع

تقریب و تذکرہ از مولانا محمد عبدالشاہد خاں شروانی

مطبوعہ مکتبہ انیسویں سہ ماہیہ

بار اول

قیمت ۲۰ روپے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

روایف الف

چشم ساقی کا جو ایسا ہو گیا	زندگیش شیخ صنعا ہو گیا
مر گیا میں اب تو ہٹ پوری ہوئی	لو مری جاں اب تو کہنا ہو گیا
ہر گراں جاں کو ہوش و حشر در	کس قدر ستا یہ سودا ہو گیا
آفتِ جاں تیری قہر آلودہ چشم	راحتِ جاں تیرا ہنسنا ہو گیا
کچھ نہ دیکھی ہم نے تاثیرِ فغاں	روتے روتے اک زمانہ ہو گیا
آگئی جب یاد اُس بیدرد کی	درد سا اک دل میں پیدا ہو گیا
آمد آمد سے مرے سفاک کی	حشر میں اک حشر برپا ہو گیا
دل اڑا کر لے گئی اُس کی نظر	وہ پری رو مفت رُسا ہو گیا

دیکھ کر آئینہ وہ بُت بن گئے مجھ سے بڑھ کر ان کو سکتا ہو گیا

حسرت دیوانہ دل دیکر اُنھیں

بہشتی

اک لے مانے کا متا شا ہو گیا

بر طرح مرزا غالب دہلوی

بت بیدرد کا غم مونسِ حیران نکلا درد جانا تھا جسے سہنے وہ دریاں نکلا

آنکھ جب بند ہوئی تب کھلیں آنکھیں اپنی بزمِ یاراں جسے سمجھے تھو وہ زندان نکلا

حسرت و یاس کا انبوہ فغاں کی کثرت میں تری بزمِ سو کیا با سُر سامان نکلا

خون ہو کر تو یہ دل آنکھ سے برسوں ٹپکا نہ کوئی پردِ دلِ ناکام کا ارمان نکلا

آئینہ - پیکرِ تصویر - نگاہِ مشتاق جسے دیکھا تری محفل میں وہ حیران نکلا

مجھ کو حیرت ہی ہو ایک دمِ خستِ ہمم جان نکلی مے پہلو سے کہ جاناں نکلا

خوب دوزخ کی مصیبت کے بچے ہم حسرت

بہشتی

اُس کا دار و غم وہی یار کا دریاں نکلا

چشمِ افسوں ساز نے کیا کر دیا کچھ جنوں سا دل میں پیدا کر دیا

کس کے غم میں ہیں لبِ لبّیاں خموش
 سرگزشتِ غم سنانی تھی اُسے
 کس قیامتِ قد کی یہ رفتار ہے
 نہیں نے حالِ دل چھپایا ہتا اگر
 کس کی یہ چشمِ سنخداں کا ہے فیض
 بدگمانی اُس کی کم ہوتی نہیں
 تیرے سودائی نے حالِ دلِ دل
 کیا بلا تھی آنکھ اسکی جس نے دل
 فصلِ گل کا فیض تو معلوم ہاں
 کس نے تیرے گل کو غنچ کر دیا
 بدگماں نے اُس کو شکوا کر دیا
 جس نے عالمِ زیر و بالا کر دیا
 صورتِ حیراں نے افشا کر دیا
 مجھ سا بنجو جس نے گویا کر دیا
 کس پہ یارب مجھ کو نشید کر دیا
 جب کہا اک حشرِ برپا کر دیا
 اک نظر میں پارہ پارہ کر دیا
 سر میں کچھ سودا سا پیدا کر دیا

وصل کی شب ہائے وہ کہنا ترا
 مجھ کو حسرت تو نے رسوا کر دیا

پھر بت بے حجاب یاد آیا
 دل میں کچھ گدگدی ہی ہوتی ہر
 مایہ اضطراب یاد آیا
 ہائے کس کا شباب یاد آیا

دل کو نصبت ہوں تنہائیں وہ سراپا حجاب یاد آیا
 پھر کسی کی گلی کو جاتا ہوں دل خانہ خراب یاد آیا
 خود فراموش ہو کچھ حسرت
 آج کون اے حجاب یاد آیا

سلسلہ جدید ۳
 (طرح ۱)
 (دراغ دہلوی)

روئے زریبا نظر نہیں آتا
 لاف الفت بہت زمانے میں
 دردِ دل کی دوا ہے جسکی نظر
 گل و گلشن سے کیا تسلی ہو
 پھول بوڑھے ہیں گلشن میں
 طبعِ موج کے مقابل ہو
 جس پہ مٹ جائیگی تنہا ہے

اپنا جینا نظر نہیں آتا
 مرنے والا نظر نہیں آتا
 وہ مسیحا نظر نہیں آتا
 گل رعنا نظر نہیں آتا
 سرو بالا نظر نہیں آتا
 ایسا دریا نظر نہیں آتا
 وہ سراپا نظر نہیں آتا

۵۰ غزلیں : پانچ سو دواں ہوا۔

چہان ڈالا جہان اُسکے لئے نہیں آتا نظر نہیں آتا شبنم
 جہیں حشت کے حوصلے نکلیں ایسا صحرا نظر نہیں آتا صبل و زمزم
 شک گئی تارے گنتے گنتے نگاہ ماہ سیما نظر نہیں آتا
 جہیں صورت نہا ہو نقش مراد ایسا نقشا نظر نہیں آتا شبنم

لاکھوں جلوہ نظریں ہیں حسرت
 جلوہ سرما نظر نہیں آتا

س۔ ج۔ م۔ (طرح) کوئی سمجھ مہفت میں حضرت کا نقصان ہو گیا
 (مرزا دارغ دہلوی)

جلوہ فرما تو ہوا صحرا گلستاں ہو گیا تو چلا منہ پھیر کر گلشن سیاہاں ہو گیا
 نور تھا عتقا صفت طلسم کردی میں ہر کے وہ جمال جانفزا شمع شبتاں ہو گیا
 ماہ کو کیا نسبت اس شمع جہاں افروز کے جکے پروانوں میں انی مہر رخشاں ہو گیا
 اللہ اللہ وہ رخ انور کہ جکے نور سے ذرہ ذرہ ہمسیر خورشید تاباں ہو گیا
 جان و دل اسپر فلجہ کی بہا جس سے کفر کا وحشت کدستانِ ایماں ہو گیا

کردیا راہ وفا میں عمر کا قصہ تمام
 غنچہ باغ دہریں چیتھا تو خاطر جمع تھی
 اب اب تک سرکشی زیبا نہیں سان کو
 عالم تصویر سے بالابے حسن دل رہا
 نوہا لان چین کو ہو مبارک عبد گل
 کر دیا تھا کام ہی اپنا تو فرقت نے تمام
 ضبط کیا جیسے شوق جیسے جانگداز
 شکر شد زندگی کا خوب سا ماں ہو گیا
 جب مہن کھولا بہ رنگ لعل پریشان ہو گیا
 جب دل میں بندگی کا عہد پیمان ہو گیا
 نقش حیرت بن گیا نقاش حیل ہو گیا
 اپنا نخل آرزو تو نذرِ حیراں ہو گیا
 چارہ سازِ دردِ دل اک لطفِ پنہاں ہو گیا
 قیسؔ دیکھا سگِ لیلیٰ تو قرباں ہو گیا

سینہ حسرت کہ جو ہجر سے ویرانہ تھا
 ایک پری پیکر کے جلوہ کو سرستان ہو گیا

س س س س س (طرح)
 (تسليم کمپنی)

قدرِ شبِ تنہا فرقت میں ہوگی اک دل
 ہر روز ماہ ہوگا ہر ماہ سال ہوگا
 حالِ دلوں کا پھینا اُس مجال ہوگا
 قدموں پہ شاہِ دینِ جب ہوگا سرسرا
 جب قل حال ہوگا جب قل حال ہوگا
 تپ اوج پر ہمارا جاہ و جلال ہوگا

غیروں کی کجکلا ہی باقی رہی کبتک
 سر پہ ہیں جو بلائیں آئینگی زیرِ پابھی
 ہوشِ خرد پہ یارب گزریگی کیا قیامت
 ہو جائے پارہ پارہ گو تار و پود ہستی
 ہے آج تنکو فرصت کچھ کام کر دکھاؤ
 نقویم سالِ نویں ہو کاش وہ گھڑی بھی
 ابرو کے بل کی کنجی اپنا ہلال ہوگا
 جس کو کمال ہوگا اسکو زوال ہوگا
 بے پردہ جلوہ فرما جب جمال ہوگا
 زائل کبھی نہ دل سے تیرا خیال ہوگا
 اوروں کے ہاتھ میں کل یہ سال ہوگا
 حسرتِ زردوں کے حاصلِ حسینِ صال ہوگا

ہے دل میں تمنا ہو جاؤں اُس پہ قرباں
 گر بن پڑا یہ مجھ سے حسرتِ کمال ہوگا

قاضی احمد میاں اختر جو ناگزری سے شناسائی قدیم ہے۔ ایک کارڈ میں مؤمن کا
 یہ شعر انھوں نے نقل کیا۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
 آسماں بھی ہے ستم ایسا دیکھا
 میں نے خط لکھا تو یہ شعر موزوں کر کے لکھ دیا۔

کیا نصیب ہے کہ ہوں "اختر" شناس
 آسماں بھی ہے کرم ایسا دیکھا
 ۱۔ جاوی الا دلی ۱۳۶۴ھ

(ریاض السالۃ)

تین نگاہِ یار کی برش کو دیکھنا زخموں کے منہ کھلا کر اور میں سیاکا
شب کو کنارِ غیر میں سویا کئے جو آپ میں خواب ہی میں آپ کے بوسہ لیا کیا

(وقت طوفان نیم ندری بھیکم پور)

ہم بکیوں سے بغضِ فلک کو ہو کس قدر اک تھی نمودِ قبر سے بھی مٹا دیا
عبرت کدہ مزارِ رئیسوں کا ایک تھا کیا جائو فلک نے اُسے کیوں بہا دیا
تھے آرمیدہ اسمیں میاں نیکیاں حاتم کو خکی بڈل نے دل سے بھلا دیا
داؤد خاں و خاں زماں خاں باصفا کسری کو جنکے عدل نے گویا جلا دیا
وینک کے عیش چھوڑ کے سوئے تھے قبر میں لے چرخ تو نے انکو وہاں بھی جگا دیا
یاد تھی دل میں تری آہ لبوں پر جاری لطف کیا باغ میں جا۔ دتروں میں لپایا

رمضان سال ۱۳۸۷ھ

آنکھ جب بند ہوئی تب کھلیں نکھلیں اپنی ہزم یاراں جسے سمجھے تھے وہ زنداں نکلا
ہم پا مالِ ہجرِ عدو کا میاں وصل لے چرخِ دول نواز ستم کی ہے انتہا

سہرا مجی شیخ الرضیٰ علی صاحب کاکوڑی

(۳۰ رذی الحجہ ۱۳۰۵ھ)

ہوا زیب رخ پر نور سہرا لگی جنت میں گانے عور سہرا
 ہماں ٹھاگل عارض کی بوس مئے لب سے ہوا مخمور سہرا
 جھلک دچہرہ روشن کی تیرے بنا تار شعل نور سہرا
 ہوا فیض نگاہ سرگیں سے متاع حسن سے معمور سہرا
 عجب کیا آتش رخ کے اثر سے جل اٹھے مثل شمع طور سہرا
 کیا تاب عذاب آتشیں نے نگاہ بزم سے مستور سہرا
 ہوا ہے بخت عالی کی مدد سے دیا رہ حسن پر منصور سہرا
 کھلے غچے خوشی سے جب بنے کو پہننا ہو گیا منظور سہرا
 پروے ہیں زبس در معانی بنا رشک در منشور سہرا

بنا کاغذ کا تختہ تختہ باغ

کیا و آفاق نے جب مسطور سہرا

خواب میں شب ۹ اے صفر ۱۳۶۲ کو یہ شعر موزوں ہوا۔

اے بندہ نواز بندہ پرور

قربان ہوں تجھ پہ سب کے سر

دوسرا مصرع ناموزوں تھا لہذا بند لا گیا بیدار ہو کر۔

اے بندہ نواز بندہ پرور

بندہ کو نواز لطف فرما

ایک رسالہ مولفہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزیر دیکھ کر میں نے لکھا۔

ان نصیبوں پرینا زراں ہوں آج

”اختر“ تاہاں ہے پھر دیدہ فروز

رَدیفِ مہم

قطرہ اشک کا ہر گال پر مے یہ عالم صبح دم گھاس کی پتی پہ ہو جیسے شبنم
 حسرتیں ل کی بکن جاتیں فراتو لے کاش ایک ہی رات کو مل بیٹھتے ہم تم با ہم
 سرتیل نسان کو منصوبہ بھر تو کیا کیا ہاؤ پر موت نے سب کر دیئے درہم برہم
 بے نیازی نے کیا خون تمنا کا مری سینہ میں ل کے ٹڑپنے سے ہو برہما نام

سرو جاتے رہو اک عمر کے شکوہ و حسرت
 بلکہ جب بیٹھ گئے دو گھڑی ہم وہ با ہم

وہاں جہان مست

سلسلہ جدید ۲

جہان و کار جہاں کو ہوں بخیر میں مست (طرح)
 نہیں کدھر کہ کہاں آساں نہیں معلوم (خواجہ آتش لکھنوی)

ہے کشتہ کس کی نظر کا جہاں نہیں معلوم
 بجوم شوق سے سینہ تو ہے متنازار
 زباں پہ جو زلفک کی شکایتیں ہیں بہت
 یہ محو ہو سر شوریدہ سجدہ ریزی میں
 مٹا چکے رہ الفت میں ہم نشاں اپنا
 نگاہ ناز کے کشتے تر پتے ہیں لاکھوں
 نثار کر دیئے دل تو تمام عالم نے
 رواں ہے قافلہ عمر تیز گامی سے
 کہاں کدھر ہو کہاں کدھر ہو
 چلی کدھر سے یہ تیغ رواں نہیں معلوم
 حدیث شوق ہو کیونکر بیاں نہیں معلوم
 ہے کس کے در پہ جھکا آسمان نہیں معلوم
 جیسں کدھر ہو کہاں کدھر ہو
 قدار حق دل اسکا نشان نہیں معلوم
 گری کدھر ہو یہ برقی پتاں نہیں معلوم
 کہاں ہے جلوہ گر دلتاں نہیں معلوم
 کہاں ٹھہرتا یہ کارواں نہیں معلوم

وہ کیف ہو سر حسرت میں فیض باقی سے

مکال ہو میکدہ یا لامکال نہیں معلوم

(۱۹ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ - حیدرآباد)

مخمس غزل حضرت امیر خسرو دہلوی

(نوشتہ قدیم)

قیامت کا سماں تھا اور محشر خیز تھا عالم متاع ہوش پر گرتی تھیں ہر سو بجلیاں بہم
صنیں تھیں جلوہ قاتل سو ساری دہم دہم نمی دالم چہ منزل بود شب یکہ من بودم
بہر جا قصہ سہل بود شب یکہ من بودم

پری رے سمن ہو کر سراپا ناز دل رکے بہ گیسو غیرت نبل بغاض شک گلزارکے
بلاؤ ہوش عیار و ستم گلے جفا گلے پری پیکر نگلے سرو بالا لالہ رخسارکے
سراپا آفت دل بود شب یکہ من بودم

غضب کی گنگش تھی حوصلہ فرسا تو سراپاں ادھر تو تو بھر دل میں روں حسرت ماں
ادھر دل خوف آفتا سوسان بید تھا زباں رقیباں گوش بر آواز اور ناز من تہاں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب یکہ من بودم

جگر بریاں نفس زراں نظر شد عجیب منظر
 پریشان ہوش سرتاسر محفل خرم مضطر
 بمیساںک تھی شب تیار یک حشت خیر نام تو
 فغان لب لہم درد قلن در جال حل بر سر

بلا ہبے تو نازل و شب جایکہ من بودم
 بیابان طلب میں جرن ہو آگ کی اکند
 شراروں سو پکارا مٹتو ہیں جسکے الحذر رہو
 یہ دامن جھاڑ کر بولا پڑا جس پر ذرا پرہ تو
 مرا از آتش عشق تو دامن سخت و خسرو

محبت شمع محفل بود شب جایکہ من بودم
 نغالی اسد زو طالع میں چاہی کماں خسرو
 جہاں تہیج نیم کا بھی تھا نام و نشان خسرو
 صفت اُن نیم اعلیٰ تھی کروں کیونکر بیان خسرو
 خدا خود میرے مجلس بود اندر لامکاں خسرو
 محمد شمع محفل بود شب جایکہ من بودم

(اور ریح الاول ۱۳۵۳ھ)

ردیف نون

سلسلہ جدید کے

خاک میں لمبائے دل گریہ دعا پیداکروں
جب مثالوں ایک کھ تو دوسرا پیداکروں

(طرح)
(فارغ دہلوی)

روز ہو ہو کر فانی گت بقا پیداکروں
بہر چھا کا ہو تقاضا اک وفا پیداکروں
حضرت ناصح کو یہ ضد ہو دوا پیداکروں
مدعا یہ ہے دل بے مدعا پیداکروں
دوسرا توجہ کموں جب سراسر پیداکروں
تیری ہوئے دوسرا کیوں اور خدا پیداکروں

زندگی گروے خدا عالم نیا پیداکروں
جلوہ گاہ ناز میں کیونکر رہوں بہت قدم
حاصل صد زندگی انکس متاع درجہ ہے
یاں تو اظہار تمنا و ان خموشی کی ادا
ایک ہی کا حسن ہے جلوہ نمائون میں
چارہ ساز درد دل تو ہی ہو بہت بے نیاز

دل کا ارماں ایک سو ایک ٹھکرا انتخاب کونسا ہدم مٹاؤں کونسا پیدا کروں
 سکے دعوے سب کر دل میں دیکھوں دھوکہ دہا خود نمائی ہو چکی قبلہ نما پیدا کروں

حسن روز افزوں کو جلوہ میں غصے کے دل لڑیا
 کس طرح ہر روز حسرت دل نیا پیدا کروں

(۲۱ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ)

سلسلہ جدید

(طرح - جلیں) بے پئے آپ تو سرشار ہو کر جاتے ہیں

پھول فرقت میں تری خار ہو کر جاؤ ہیں ہلکے پھلکے ہیں مگر بار ہوئے جلتے ہیں
 بھولے جلتے ہیں یا دیں کوئین کو ہم کام کی بات ہو بیکار ہوئے جلتے ہیں
 نئے جلتے ہیں مری قتل پر ہوئے منتر کان کیسے نشتر ہیں کہ تلوار ہوئے جلتے ہیں
 یاد آتی ہے جورہ رہ کے وہ چشم محمور آج تو بے پئے سرشار ہوئے جلتے ہیں

دھوم کی دستِ شفا کی ترے چشمِ بیمار
اچھے اچھے ترے بیمار ہوئے جاتے ہیں
فیضِ قاتلِ سیر کی جوشِ شہادتِ طہی
حضر بھی زلیست کی بنیاد ہوئے جاتے ہیں
تا بشِ حسن سے خیر ہے نگاہِ مشتاق
وہ جہاں ہیں مگر اسرار ہوئے جاتے ہیں
نگہِ ناز سے ساقی کے ہیں دل چکنا چور
ٹوٹے ٹوٹے انبار ہوئے جاتے ہیں

پسکی پڑتی ہے نگاہوں کی مری حسرتِ بید
فاشِ حسرتِ مری اسرار ہو جاتی ہیں

ماہِ رمضان
۱۴۲۸ھ

ردیفِ واؤ

غزلِ دہشتِ حضرت سلطان المشائخ حسبِ فرمائش
انجی مرحوم محمد احمد سعید خاں صاحبِ رئیس دادون
بتاریخ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ - نوشتہ شد غفرلہ

سلطانِ مشائخ پہ دلِ زارِ فرا ہو
وہ خسروِ دوراں ہے جو اس در کا گدا ہو
تم دیدہ ظاہر کی رسائی سے درا ہو
تم کو کوئی کیا سمجھے کہ محبوبِ خدا ہو
سلطانِ جی سرکار سے کچھ ہم کو عطا ہو
ہم آپ کی چوکھٹ کو بھکاری ہیں بھلا ہو

اللہ کے پیلے ہو وہ ہوتا بلج فرمان
 کشافِ حقائق ہو ادا فہم حقیقت
 نیرنگی اخلاص کا کچھ رنگ جدا ہے
 ہو عقد فریدی کے عجب گوہر بکتا
 یکتاے زماں نشہ وحدت میں سرشار
 خالق کی اطاعت میں لجاں سو ہو گھر
 ہے قبلہ کا رخ جسکی طرف وِرازل سو
 اس قبلہ مقصود کے تم قبلہ بنا ہو

سلطانِ مشایخ کے گدا شاہ جہاں ہیں

سرِ حسرت بے مایہ کا اس در پہ فدا ہو

اسکے در پر خوف و جہتو نہیں محشر کے پاؤ
 گھومتا ہو خوشِ حشت میں مثالِ جنخِ پیر
 میری آنکھوں میں پھرتا ہو جہاں تا ہو
 میں سمجھتا عشق کی پایہ افزائی مری
 کس طرح بنھیلیں الہی میری نامہ بر کے پاؤ
 تیرے در پر جا کرم لبتا جو ہو دُسر کے پاؤ
 مجھ کو چیرتا کہاں کا تیرے گھر کے پاؤ
 سر پہ ٹپتے بعدِ مردن گمرو دلبہر کے پاؤ

ان پر اڑا کر ٹہری ہو کو چہ جاناں کی خاک
اپنی آنکھوں سے لگاؤں آج نامہ بر کیا نو
اگر یہ رونما خود نہ چل دیں نسوؤں کے ساتھ گستا
پھیلنے جاتے ہیں بیہوش بنو چشم ترکے پانو

سایہ دولت بھی حسرت چلتی پھرتی چھانو ہو
کیا بناؤ دست قدرت میں سیم و زر کو پانو

سج ۹ طرح - مسلم یونیورسٹی
یہی قدرے آڑا ایجاینگے اک ان بیابان کو

جولائی ۲۹ دسمبر ۱۹۲۵ء

نئی ہر روز آفت ہو محبت میں مری جاں کو
دلیا تو وہ کہنے نہیں کہ لو دل سوار ماں کو
رضیا بخشی رخ پر نور نے صبح بہاراں کو
دل آ کر دیازلف مغنہ فرشتاں کو
کئے دیتی ہو وحشت پارہ پارہ کسوٹی
کہاں قسمت کہ بٹھو چاک کر ڈینگیں بیابان کو
غلش بھردی کچھ ایسی نیت افزا تیری چٹکی نو
کیا دل و نصو نوک مڑ گان نوک پیکان کو
مناع دیں ایمان بچاؤ تو بچے یا رب
وہ چشم فتنہ ساماں تاکتی ہو اتوا یاں کو
بجا ہو کر میں یکجاں غالب ادی وحشت
تزو خاں مغیلاں کو مری تار گریباں کو
قدیم تیرا تو دم میرا یہی آباد رکھتے ہیں
بشتاں کی بیابان کو چمن کو بیت احزاں کو

گئے وہ دن کہ اپنا آشیانہ تھا صحنِ گلشن میں
 قفس سو جھانک لیتی ہیں کبھی ابتو گلستاں کو
 دل چوٹی کو کیا تسکین ہو صحرانوردی سے
 اٹھا کر کوئی رکھ دو گوشہ دل میں یاں کو
 جنوں کی نکتہ سنجی تافہ ریلی کو غیبت تھی
 بنایا میل سرمہ قین و خار مغیلاں کو
 کبھی وہ زلفِ عنبر لو نشاۃِ خوابِ راحت تھی
 ترستی میں آنکھیں اتواکِ خوابِ ریشاں کو
 معاذ اللہ وہ ترکِ چشم کے ایک اشارہ ڈ
 بنایا غارِ روضہ میں خونِ شہیدان کو

نمکِ یزی سحرِ راحت ہو دلِ مجروح کو حسرت

بنایا محرمِ بارِ نہاں ہم نے نمکِ دل کو

(مرثیہ - از بیاض ۳۰۳۷)

کس نے وحشی بنا دیا مجھ کو کس نے صحرانجھنکا دیا مجھ کو
 کس کی فرقت ڈ کر دیا بیتاب کس کے غم نے جلا دیا مجھ کو
 کون دنیا سے کر گیا رحلت کون بیجاں بنا گیا مجھ کو

لائے اک جنگل مجھے بازار سے (مومن بولوی)

۵ کر علاج جویش و خشت چہارہ گر

۵ نیا مضمون ہے - چاہِ جلیل -

کس کی صورت نظر نہیں آتی کون غم میں ڈبا گیا مجھ کو
 کیسا صدمہ ہوا مجھے یا رب جس نے بے خود بنا دیا مجھ کو
 ہر دم آنکھوں سے اشک پیچاری کس کا جانا لگا گیا مجھ کو
 بات منہ سے نہیں نکلتی ہے دل رہا چپ لگا گیا مجھ کو
 دل کو آنا نہیں ذرا آرام میرے اللہ کیا ہوا مجھ کو
 کس کا ماتم ہوا ہر جاں فرسا کس نے بے جاں بنا دیا مجھ کو
 اپنا کیا حال دوستوں لکھوں غم دوری نے کھا لیا مجھ کو

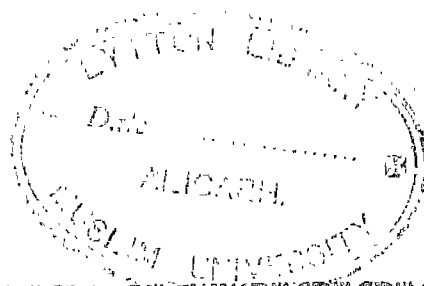
ردیف ہ نعت

تنہا ہے تنہا ہے مدینہ تماشا ہے تماشا ہے مدینہ
 مرے سر میں ہر سودا ہے مدینہ مرے دل میں تنہا ہے مدینہ
 بناؤں خاک اُس کی سرمہ چشم خدا دکھلائے صحرا ہے مدینہ

ہے اُس دل میں یقیناً نورِ اہمال ہو جس دل میں تو لائے مدینہ
 شرفِ عرش پر اُس کی زمیں کو عجب ہر شان والا لے مدینہ
 سراسر ابرِ رحمت چھا رہا ہے ہے سایہ حق کا بالائے مدینہ
 غلامی اپنی رشکِ سروری ہو مرا آقا ہے مولائے مدینہ
 نثار اس سر پہ سو ہوشِ خردیں ذرا ہو جس میں سودائے مدینہ
 تماشا گاہِ عبرت ہیں یہ آنکھیں نہ دیکھیں گر نماشا لے مدینہ
 جمالِ اسمیں ہو کس کا جلوہ فرما زرا دیکھو تو سیائے مدینہ
 قسم رب کی وہ پتھر سے ہے بدتر نہ ہو جس سر میں سودائے مدینہ

مرے دل میں یہ حسرت آرزو ہو

کہ دیکھوں میں تجھ لائے مدینہ



نشاطِ دل مدینہ ہے مدینہ بہارِ گل مدینہ ہے مدینہ
 زمیں پر جلوہ گاہِ عرشِ اعظم مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 رسول اللہ کی ہجرت کا ماویٰ مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 بہارِ جاں فزا خلد بیری کی مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 گنہگاروں کی امیدوں کا ماویٰ مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 تعالیٰ شانہ فرودیں عالم مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 فلاحِ دین و دنیا کا بہارا مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 لبالب نورِ ایماں کا سمندر مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 دل و جاں سے زیادہ ہموکھ پیارا مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 توانائی مرے ایمان و دیں کی مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 عروجِ حق کا غورِ شیدِ رخشاں مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 پس سائے اہل دل مفتونِ حق پر مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ

ۛ "سپرِ حسن کا ماہِ نور"

بساطِ دہر کا گلزارِ رعنا مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ
 دل و جاں کا سرور و نورِ حسرت

مدینہ دارالکرام

مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ

سعادت کا خزینہ ہے مدینہ کرامت کا نگینہ ہے مدینہ
 ہے مدفنِ رحمتِ للعالمین کا رسالت کا دفینہ ہے مدینہ
 و فوہِ نقدِ رحمت دیکھ جا کر خزینہ ہے خزینہ ہے مدینہ
 کھڑا ہے دم بخود طوفانِ عصبیا سفینہ ہے سفینہ ہے مدینہ
 ہے ایماں کی سند پر مہر اُس کی نگینہ ہے نگینہ ہے مدینہ
 جہاں کے سارے شہروں سے بہتر بہینہ ہے بہینہ ہے مدینہ
 دلِ مضطرب وہاں پاتا ہے تسکین سکینہ ہے سکینہ ہے مدینہ

میں اُس کے حُسن پر قربانِ حسرت

حسینہ ہے حسینہ ہے مدینہ

رولیت یا

کئے تو نے دور آسماں کیسے کیسے
 ادھر دل ہے مضطر ادھر چشم جیراں
 اٹھائے ہیں دیدارِ لیلیٰ کی خاطر
 کدھر ہیں کیانی و رومی و مغلی
 بس اک حسرت آلودہ طرزِ نگہ میں
 غضب ہے تری نیم بانہ آنکھ ظالم
 عجب کیا کہ ہر ذرہ خاک دل ہو
 ذرا جھانک کھڑکی و ظالم پڑو ہیں
 جیا ناز پندارِ رغب و تغافل
 نہیں کو دکھائے سماں کیسے کیسے
 ہمارے بھی ہیں انداں کیسے کیسے
 شتر غمزدہ ساریاں کیسے کیسے
 جہاں سے اٹھے خاندان کیسے کیسے
 سخن کہہ گئے بے زباں کیسے کیسے
 ہزاروں کئے نیم جاں کیسے کیسے
 ملے خاک میں دلتاں کیسے کیسے
 ترے درپہ بے خانہاں کیسے کیسے
 ہٹھار دی بھی ہیں باں کیسے کیسے

کبھی ہو کے پانی بہا یہ نہ حسرت
 ہوئے دل پہ جو ربتاں کیسے کیسے

نہ تو دل ہے نہ ہے جگر باقی ہے مگر شوق یک نظر باقی
 دل لگی کو ہنسی سمجھتے ہو ابھی بچپن کا ہے اثر باقی
 تم کو لائے گی راہ پر اک دن کشش شوق ہے اگر باقی
 ناوک دگدگیوں ہو ادا اس ابھی پہلو میں ہے جگر باقی
 یاس پر کچھ تو عمر گزری ہے کٹ رہے گی امید پر باقی
 قبر پر شمع آہ روشن ہے بجھ گئی آگ ہے شر باقی
 خون وصل عدو پہ رونا ہے کچھ تو رہنے دے چشم تر باقی

چومتا ہوں خود اپنوں لب حسرت
 کس کے لوسہ کا ہے اثر باقی

نور وحدت کا دل میں جلوہ ہے میرا سینہ بھی طورِ سینا ہے
 یادِ قامت میں حشر ہر پا ہے کس قیامت کا سر میں سودا ہے
 چاندنی رات ہے وہ مہوش ہے اونچ پر بخت کا ستار ہے
 شرم کے مارے جو نہیں لڑتیں انھیں آنکھوں نے مجھ کو مارا ہے

ہاتھ دل پر ہے دل سے بے قابو
تیری فرقت میں جو گزرتی ہے
ہاں اس حور کے گلے میں نہیں
چال مستان آنکھ متوالی
حسن پر ناز ہے اگر متکو
چین دل کو نہیں کسی پہلو
اس پر یوش کا ہے عجب عالم
چال دیکھو تو جیسے بجلی ہے

آنسوؤں کو تو رونا ہے حسرت

پہنچا

ابھی کم بخت خون رونا ہے

(بر طرح اقبال مرحوم)

شاد و نور و لبریزا عالم کی جھولی ہو
گرہ چین جس کی کسبت ہوش کھوئی ہو
یہاں کہتے ہیں مرنا زندہ جاوید ہونے کو
زمانے سوزلی منزل جاناں کی بولی ہو

اشارہ صاف کرتی ہو کسی سیڑ کی موڑنی کہ جس حسن قدرت ذی اسی کا ٹوٹتی لی ہو
 مسلم ساتھ ہوا زبکہ دامن اور چولی کا کیا جب میں نے دامن چاک لٹا دی ساتھ چولی ہو
 شراب ناب کو جلو نگارہ ناز پر صدق ابھی سوئی سے آنکھ اُس فتنہ دور لے گھولی ہو
 متاع صبر نام و نشان باقی نہیں چھوڑا یہ دزد پرہنگا ہوں گرہ دل کی ٹوٹی ہو
 قیامت ہو تیری کس کس داسو دن کچھ ظالم جو آنکھیں سرخ و برفن ہیں صورت بھولی ہو
 گلِ نعمتِ محکم سے ترے دامن میں بلبل کے تبسم ڈبھری پھولوں سے فصل گل کی جھولی ہو

حصولِ عذاب کوئی دن کی بات ہو حسرت

ہنگا میں مل چکی ہیں گفتگو مطلب کی ہولی ہو

سلسلہ جدید (طرح)

(خواجہ آتش گھنری)

خوشادہ دل کہ ہو چوں دل میں آرزو تیری

خوشادہ باغ جسے تازہ رکھے بو تیری

خوشادہ دشت کہ ہو جس جستجو تیری

بوں پہ غنچہ کے گویا ہے گفتگو تیری

لگی ہوئی ہے مگر دل سے آرزو تیری

خوشادہ باغ ہسکتی ہو جس میں بو تیری

خوش ہے مگر اک عالم تکلم ہے

جگر بھی چاک ہو ادل بھی پارہ پارہ ہوا

مقابلِ رُخِ زیبا نہ ہونا اسے گل تر
 کہیں نہ خاک میں بجائے ابرو تیری
 اسیرِ صحنِ گلستاں نہیں دل آرائی
 شمیمِ لطفِ دل افزا ہے کو بکو تیری
 طریقِ اہل نظر میں ہے منع یکسوئی
 زبکہ جلوہ فروزی ہے چار سو تیری
 ہنوز دشتِ خشن نافہ زارِ عالم ہے
 کبھی کھلی تھی ادھر زلفِ مشکبو تیری
 فرشتہٴ اجل آئے پری کی قالب میں
 بوقتِ مرگ جو صورت ہو پیر و تیری

امیدِ لطف پہ حسرت ہو باغِ ضواں میں

نہ خیمہٴ دل
 نہ چادرِ لب

سناہو جب سر کہ لطفِ کرم ہے خو تیری

سج ۷ (طرح)

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سو محبت تیری

لب پہ رہ جاتی ہو آگے شکایت تیری

(داغ - دھلوی)

بار پاتی ہی نہیں دل میں شکایت تیری

دمِ آخر بھی لبوں پہ ہو حکایت تیری

پھر کہاں ہوش ہو ہوسا نو صو ت تیری

انس کو بڑھکے مرادیتی ہو وحشت تیری

بسکہ ساری ہو رگ پے میں محبت تیری

جان جاؤ کہ رہے یاد تری دل میں ہے

تابِ نظارہ تو جب ہو کہ رہیں ہوش بجا

وادیِ عشق ترکِ خار پہ ہو گلِ قرباں

ناصحا کیوں کروں علاجِ زخم کیا نشانی نہیں ہے یہ اُس کی
 میری صُوت جس نے دیکھی سو فوراً دیا دوستو حالتِ مری ورنے کے قابل رہی
 (محرّم الحرام تہا)۔ ہر طرح پیام یار — حسرت برس رہی ہے کس کا مزار ہے
 کس لالہ رو کے عشقِ سداغدار ہو حسرت و جس کے سینہ گلشن میں خار ہے
 عبرتِ فرا مقام ہے دنیا کو بے ثبات کل جو محل تھا آج اسی میں مزار ہے
 سینہ مرا نمونہ گلشنِ بے سوز ہے دلبر کا غم ہو دل میں مری یا شہر ہے
 کیسی چلی چن میں یہ بادِ سموم آہ یارب کہ دوہنی ن میں گلِ ذہار ہے
 ممکن نہیں کہ را در محبت چھپا رہے چہرہ اتر رہا ہے تو دل بقیار ہے
 رُخِ جاناں گلاب کی پتی ہے ہر اک ایک گل کھلائے ہوئے
 ہم نہ بیمار ہیں نہ ہیں مجسوں حضرتِ دل کے ہیں ساڈھوئے
 داستانِ الم کو یوں ٹالا کہ یہ قصبے ہیں سب سنائے ہوئے
 ستم ہے آنکھ شوخ پُر جفا کی جد ہر دیکھا اودھرافتِ پاکی
 کس کی تاب دل تجھے بچائے غضب کی آنکھ ہے چتون بلا کی

جایا رنگ دستِ شوخ میں ہے یہ شوخی دیکھے رنگِ حنا کی
 نہ کی تسکین وعدہ سے بھی میری شکر کوئی حد بھی ہے حنا کی
 لے آیا گھر میں میرے دل رُبا کو کشش تو دیکھے جذبِ رسا کی
 پھروں ہوں دل کو پکڑو مضطربا پھری ہے آنکھ جب سے یونا کی
 لئے پھرتے ہیں ہاتھوں ہاتھ گھرو یہ قسمت دیکھے برگِ حنا کی

اٹھکے جو راز بس اس کے وامق
 طبیعت ہو گئی عادی حنا کی

حسرت نامہ

القاب

اے مری جان بلکہ جانِ جہاں جانِ شیریں و رشک نورِ جہاں
 تجھ سے زینت ہر بزمِ عصمت کی تجھ سے رونق ہر دل کی خلوت کی
 تیری آنکھوں میں جان کے جلوے جن پہ قرباں جہاں کے جلوے

غیرتِ غنچہ تیسرا تنگ دہن پھول جھڑتے ہیں جس سے وقتِ سخن
 دو زولب وہ نسیم کی موجیں دل کو خیش سے جو شگفتہ کریں
 ہائے تیسرا خرامِ مستانہ دل ہشیار جس کا دیوانہ
 تجھ کو اللہ شادماں رکھے با مراد اور کامراں رکھے
 روز و شب عیش و شادمانی ہو دل شیدا کی تندر دانی ہو
 شوقِ یحییٰ شرح کیا لکھوں یہی بہتر ہے مدعا لکھوں
 ۱۷ (مدعا)

دل مضطر کا حال زار کہوں ستمِ ہجر و انتظار کہوں
 ۱۸ شبِ وصل

یاد آتی ہیں وصل کی راتیں اور ناز و نیاز کی باتیں
 تیسرا ہر بار وہ بگڑ جانا اور منانا وہ اپنا گھڑیوں کا
 باندھنا پہنچیاں وہ پھولوں کی گوری گوری کلائیوں پہ تری
 عرق آلودہ چہرے کی وہ دمک اور عطرِ عروس کی وہ مہک

گرم فقروں پہ سرجھکا لینا دونو ہاتھوں سے منہ چھپا لینا
 بیٹھے بیٹھے وہ نیند کے فقرے لینا انگڑائی آنکھیں مل مل کے
 بھینسی بھینسی جوئی کی وہ خوشبو وہ چنبیلی کی نگہتِ دلجو
 صبح وصل

صبح کے دقت کا نرا اسماء حسن کا سب لٹا ہوا سماں
 آنکھوں میں سرمہ کا یو نہیں سا اثر بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر
 خواب نوشیں کی آنکھوں میں سرخی کچھ کھلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی
 باسی پھولوں پہ اک اوداسی سی اور بو آن کی بگڑی بگڑی سی

۵ (یا وایام)

کیا ہوئیں وہ سرور کی راتیں دیدہ افسردہ نور کی راتیں
 تم پہ رحمت ہو وصل کے ایام تم سے پھر مل کے خوش ہو یہ ناکام
 جلد کیسے گزر گئے وہ دن ادھر آئے ادھر گئے وہ دن

۶۔ (صبحِ رخصت)

کیسی دلیسرِ صبحِ رخصت تھی صبحِ رخصت کہ شامِ غربت تھی
 گلے ملتی تھیں آرزوئیں بہم دل کو تاراج کر رہا تھا غم
 غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی اک تمنا نہراہِ حسرت تھی
 تیرا ہنسر وہ پان کا لینا اپنے منہ کی لالچھی دینا

۷۔ (رخصت)

تیرا جانا بلا کا آنا تھا کیا قیامت کا تیرا جانا تھا
 ایک سکتہ کا مجھ پہ تھا عالم آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم
 دل پہ اک بخودی سی تھی طاری تھیں جنوں کی علامتیں ساری
 ہر طرف بے کسی برستی تھی ہیکسی پر بھی ہیکسی سی تھی

۸۔ (حجرا)

اب عجب حال ہے طبیعت کا دل کسی چیز میں نہیں لگتا
 جان پر اضطراب طاری ہے بیقراری سی بیکراری ہے

پچھلی حالت جو یاد آتی ہے فرطِ وحشت سے جان جاتی ہے
دل بے چین مضطرب ہے ہلکے مجھ کو اُس کی خبر نہ اس کی خبر
و دُعَا

اے خدا پھر ہو وہ زمانہ نصیب وصلِ محبوب سے ہوشاد حبیب
میرے گھر میں پھر آئیں اُسکے قدم جس سے بچائے پھر وہ رشکِ م
ہو وہ عیش و نشاط کا چرچا نام باقی رہے نہ کلفت کا
فکر آئے تو اس سے کہدے مقرر ٹھیر و باہر کہ عیش میں ہیں حضور
اے خدا یہ دعا ہو میری قبول بطفیلِ نبی و جہادِ بتول
(۶ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ)

(چاندنی رات) برائے رسالہ مخزن لاہور۔

چاندنی رات باتیر کیا کہنا تو نے پہنا ہے نور کا گہنا
چاند سے چار چاند تجھ کو لگے منہ تری صنویٰ فقیرِ بیتا دل کو
سینہ روشن کا تیرے وہ جلوہ ماند جسم مر پڑا نثرِ بیا کا

بزمِ عالم ہے تجھ سے نورانی
 تجھ سے عالم میں نور ہے ہر سو
 قفسِ گردوں میں روشنی تجھ سے
 چشمِ عالم کا تو آجالا ہے
 پاسبانی کا تیرے وہ شہرا
 کیوں ہو نور و روشنِ خاکِ ایسی
 ہو مقابل اگر ضیا تیری
 تجھ کو شہروں میں رونقِ تازہ
 موجزن ہے جو نور کا دریا
 نور کی آبشار ہے جاری
 چاندنی ہو یہ دشت میں پھیلی
 کئے دیتی ہے قلب کو مخمور
 جلوۂ باغ ہے عجب دلکش
 چھڑ گیا دن کی آبِ پر پانی
 تیرے دم سے سرور ہو ہر سو
 فرشِ خاکی پہ چاندنی تجھ سے
 عیش کا تجھ سے بول بالا ہے
 پاؤں پھیلا کے سوتی ہے دنیا
 چشمہ نور سے ہے کیا نکلی
 قلعی کھل جائے سنگِ مرمر کی
 چاندنی چوک ہر گلی کو چہ
 بفقہ نور بن گیا صحرا
 بھر گئی آب سے زمیں ساری
 یا کہ چاندنی کی بہتی ہے ندی
 چاندنی ہے کہ ہو شرابِ طہور
 چپا ندی کی بہار پر دل غش

نور سے چھلکا حوض کا ساغر چادر آب نور کی چادر
 شاہِ گل پہ ہے عجب جوین نور کا ہے گلے میں پیرا ہن
 جلوہ گر حسن اس کا ہو کم کم اُس کے محبوب ادا کا یہ عالم
 خوابِ نوشیں میں ہو کوئی دلبر آنچل آبِ رواں کا ہو منہ پر
 یہ نقشہ سپید ابواں کا موجزن جوئے شیر ہے گویا
 درو دیوار ہیں سراپا نور جن کو شرابیں آنکھیں مع تی چور
 بالا خانے پہ ہے عجب جلوا حسن بالائے حسن صلّ علی
 اک پنگڑی پڑی ہو نازک کا چادر اس پر کسی ہوئی اُجلی
 پتلے پتلے ہیں مٹھلی مٹھکے پھول رکھے ہو وچنبیلی کے
 خوابِ راحت میں ایک موش ہو جسکے جوین پہ چاندنی غش ہے
 رنگ پوشاک کا ہو کا فوری روح خس شاد بو سے ہو جس کی
 چہرہ پر اک ادا قیامت کی لبِ نازک پہ مسکراہٹ سی
 کچھ پسینے سے نم ہے پیشانی عکس مہتاب سے ہو نورانی

ہے تموج میں نور کا چشمہ یا ابھرتا ہے سانس سو سینہ
 ذرا نیچے کو جھک گیا ہر سر ہاتھ رکھا ہے ایک تکیہ پر
 دوسرا ہاتھ اُس کا سینہ پر پہرا بیٹھا ہوا خزینہ پر
 (برسات)

اے قدرت حق کی شان برسات اے جوشِ منو کی کان برسات
 رحمت کا سماں دکھانے والی صحر کو چمن بنانے والی
 دنیا ترے دم سے شاد و شاداب عالم ترے دم سے سیر و سیراب
 بازاروں میں سب ترا کرشمہ صنعت کی کلوں میں تیرا جلو
 راجوں کے ہیں راج تیرے دم سے شاہوں کے مزاج تیرے دم سے
 و سقاؤں کے دل کی آس تو ہے تو ان کی امید و آرزو ہے
 تپ تپ کے ہوئی زمینِ خبہر سبزے کا نہ تھا نشان جس پر
 لو نے تھا اُسے کچھ ایسا جھلسا ہوتا تھا نظر کو جس سے صدمہ
 وحشت سے بھرا تھا ایسا صحرا جیسے خفتا نیوں کا چہرہ

ہے آج زمیں جو رشکِ گلشن
 اشجار ہوئے تھے سارے بد روپ
 گرمی کا ہوا میں بختا یہ غلبا
 حدت سے ترکی جو سانس اُن کی
 چلتی تھی سموم کس غضب کی
 شدت کی لوکنار دریا
 گرمی سے اُبل اُٹھے جو تالاب
 پانی کو تھی زمیں ترستی
 انسانوں کی جان پر بنی تھی
 ہاتھوں میں تھے پکھے لب پہ خشکی
 پانی تھا خشک ہر اک کو مطلوب
 موسم میں ہوا ہے کچھ تبدل
 مغرب سے پھری ہوئی ہوا ہے
 کل تخم کے واسطے تھی گلخن
 پتوں کو جلائے دیتی تھی دھوپ
 دشوار ہوا تھا سانس لینا
 کتوں کی زبان منہ سے نکلی
 توبہ توبہ پناہ رب کی
 پانی میں خواصِ نار پیدا
 ماہی ہوئی پانی میں بھی بے آب
 اور آگ فلک سے تھی برستی
 گرمی کہ عذاب جانکنی تھی
 آنکھوں میں جلن تھی دل پہ گرمی
 بازار تھا گرم برف کا خوب
 بنیادِ تپش میں ہے تزلزل
 پانی کا مزا بدل چلا ہے

بیکار ہیں جھجھکے اور صراحی
 بے لطف ہوئی ہے خس کی ٹٹی
 ٹکڑے بادل کے کالے کالے
 دیتے ہیں خبر چہاڑا کر
 ساحل کی طرف ہے یار آتا
 طوفان پہ ہے خلیج بنگال
 اک بار ہوا کا رنگ بدلا
 پورب سے گھٹائیں کالی کالی
 مخلوق کو چین دینے والی
 مستانہ آنکھیں بڑھیں اُمنڈ کر
 دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں
 بارش کا جوتا رنگ گیا تھا
 قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے
 ہوتا نہیں سرد آن میں پانی
 باقی ہی نہیں ہے اس میں سردی
 گردوں پہ ادھر ادھر ہیں بکھرے
 بے جوش و خروش میں سمندر
 بارش کی اُمید ہے دلاتا
 کیسا ہے جہازوں کا بُرا حال
 بدلی جو ہوا تو اُبر آیا
 سرسبز زمیں کو کمرے والی
 ستوں کی دعائیں لینے والی
 آفاق پہ چھا گئیں سراسر
 دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں
 رحمت کے پیام لا رہا تھا
 ڈارے کر وڑوں چھوٹتے تھے

مخلوق کے دل کو چین آیا
 اطفال بہم نہا رہے ہیں
 رحمت کا نزول ہو چکا ہے
 ہر شاخ نہا نہا کے نکھری
 ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا
 آواز پیہا دے رہا ہے
 عاشق کا دل ہے محو تاثیر
 فریادیں دردِ دل نہاں ہے
 اس زور سے چختا ہے بہم
 کوئل وہ نظیرِ قیس و لیلی
 پر سوز و گداز اس کی آواز
 گلزار ہیں باغِ اس کے دم سے
 چہ پایوں کے صاف ستھرے گلے

خوش ہے ہر ایک پیروبرنا
 پانی کی خوشی منا رہے ہیں
 سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے
 قدرت نے کئے نثار موتی
 ہر برگ سے زندگی ہویدا
 خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے
 سناٹے میں دشتِ مثلِ تصویر
 مفہومِ فغاں سے پئی کہاں ہے
 رہ جاتا ہے چپ وہ ہو کے بیدم
 حیاں سوختہ سانولی سلونی
 مجھوروں کے دردِ دل کی ہمراز
 پُر کیف دماغ اس کے دم سے
 رمیوں میں ادھر ادھر ہیں چرتے

سبزے میں پسید اور کالے
 ہے پل پہ عجیب لطف دیکھو
 سورج ہے غروب ہوتا جاتا
 موجوں سے نسیم کھیلتی ہے
 پانی کی بکھی ہوئی ہے چادر
 گردوں پہ ہیں رنگ کیسے کیسے
 ہر رنگ میں اک نئی ادا ہے
 پانی جوا فق سے جا ملا ہے
 اک غمزہ اک طرف ہو بیٹھا
 خاطر میں خیال ہے کسی کا
 فرقت کی ہر چوٹ اس کے دل پہ
 بیتاب ہے سوزش دروں سر
 حسرت سے بھری ہوئی نگاہیں
 بھاتے ہیں نگاہ کو وہ کیسے
 منہ جانبِ غرب کر کے بیٹھو
 عالم پہ سکوت سا ہے چھایا
 ٹھکراتی ہے اور ڈھکیلتی ہے
 مقفیش بکھر رہا ہے اُس پر
 پھیکے اور شوخ بھاری ہلکے
 گلزارِ فلک پہ کھل رہا ہے
 نظارہ عجیب ہو رہا ہے
 حیرت سے بنا ہوا متا شا
 نظروں میں جمال ہر کسی کا
 آنکھوں کو تلاشِ روئے دلبر
 بے چین ہے شورشِ جنوں سے
 سینہ میں گھٹی ہوئی ہیں آہیں

مطلوب کو جب نہیں ہے پاتا یہ شعر ہے اس کے لب پہ آتا
جو وگل و گل خوش ست لیکن
بے رونے نگار خوش نباشد

تصویر عبرت

(یعنی)

نور جہاں کا مقبرہ

بزم اک لاہویں ہو خادمان قوم کی	جنگے دل و لگے ہی ہو فکر شان قوم کی
حسرت بیدل بھی اچکے شامل محفل ہوا	رنگ محفل سے سرور بیکراں حاصل ہوا
بلبلان قوم کے جب چھپے سب سن لو	شہر خاموشاں میں جا بکھلاش عبرت کی لو
پھرتے پھرتے مرقعہ نور جہاں آیا نظر	مقبرہ تھا وہ کہ تھا تصویر عبرت سیر
کل تھا جسکی شان پر عالم کا دل آیا ہوا	آج عالم بیکیسی کا اُس پہ ہو چھایا ہوا
جسکے رتھ کو ہانکتا تھا بادشاہ روزگار	گردش گردوں سویں تاراج ہو سکامز

چوٹ سنی ل پر لگی اُجڑی وہ حالت کھنکھ کر
 دل کی آنکھیں کھل گئیں غفلت کا پردہ اُٹھ گیا
 شکل اک آئی نظر ستادہ باقر شہی
 اسکی پیشانی سو عرب سلطنت تھا جلوہ گر
 (دل نے آہستہ کہا یہ ہے جہاں گھر غبور
 دیر تک تو ضبط بیتابی دل کرتی رہی
 آہ کھینچی ایک اُس نے بادل اندو گیس
 کیا اُسی بیگم کا ہے یہ خوار و خستہ مقبرہ
 میں نے جسکے سر پہ قرباں چتر شاہی کر لیا
 جسکے قدموں پر فدا کر دی تھی میں سلطنت
 جسکی صَوّت جلوہ فردوس کی تصویر تھی
 آہ وہ ایامِ عشرت اور وہ میل نہار
 جسکی رنگین مِ رشکِ روضہ فردوس تھی

جان ہی پر اپنی بکری وہ صَوّت کھنکھ کر
 بخودی نے مجھکو دکھلایا تماشا اک نیا
 جو عجب حسرتِ روضہ کی طرف تھی نکھتی
 اسکی چٹوں کو برستا تھا غضب کا کروفر
 مقبرہ میں سو نیوالی اکو دل کی تھی سرور
 جوش بیتابی سے وہ مجبور آخر ہو گئی
 یوں کیا اظہارِ دردِ دل باوازِ حسین
 برسوں کا جس کا ملک ہند میں بختار ہا
 جسکی جوتی کے نلے اور نگِ شاہی ہڑپا
 جسکے آگے سر جھکا دیتے تھے اہلِ مملکت
 جس کی رنگینی ہمارے خطہ کشمیر تھی
 بلیں امل چمکتا دیکھ کر جن کی بہار
 بیکی سو اسکے روضہ کی ہو کیا صَوّت بنی

ظالموں نے قبر کا تنوید تک چھوڑا نہیں
 بندہ سخی و خجل ہوتی تھی جس کی پھلجھڑی
 قصر میں بچھتا تھا جکے فرش دیا و حیر
 جھگھٹے میں نازنینوں کے جو کرتی تھی بسر
 سیج پر پھولوں کو سوتی تھی بھی جو نازیں
 جسکی پاہوی کی کرتے آرزو گہائے تر
 حسن جس کا تازگی بخش گل و گلزار تھا
 قصر میں جلتی تھی جسکی شمع مائے عنبریں
 نام روشن ہو جہاں میں آہ جہاں سر بسر
 کر دیو جس ذہبت جو صنابل و نشان
 جو صدر خلعت دیا واطلس دیدیو
 لونڈیوں پر جسکی تھی پوشاک کل بفت کی

کونسا گوشہ ہو تربت کا کہ جو نور انہیں
 جیف و خاموش آغوش لحد میں ہو پڑی
 آہ فرش خاک پر سوتی ہے وہ ماہ میر
 آہ اسکی قبر پر اب بکسی ہے نوہ گمر
 پھول دوسو کھے بھی اسکی قبر پر چڑھتی نہیں
 خشاک کا ٹوک پڑا ہو ڈھیر اسکی گور پر
 آہ قسمت میں لکھا اسکی لحد کے خار تھا
 جیف روشن اکٹیا بھی قبر پر اسکی نہیں
 نام کو بھی روشنی آئے نہ اس کی قبر پر
 اس شکستہ مقبرہ میں وہ پڑی ہو نشان
 جیف تر سو اسکی تربت ایک چادر کے لئے
 آج دیواریں ہیں اس کے روضہ کی تنگی کھڑی

لے جب راقم نے فاتحہ پڑھی تو نور جہاں کی قبر پر کانٹوں کا اجار پڑا ہوا تھا۔ (شردانی)

یہ کہا اور ہو گئی چپ ایک لمحہ کے لئے پھر ادا اک نشانِ استغنا سے یہ جملے کہو
 کیا ہو اگر ظالموں نے توڑ ڈالی قبر تک
 روشن اس کا نام دُنیا میں ہو گا حشر تک

یادِ روشن باغِ
 حشر و عذاب



مطالعہ سے پہلے تصحیح فرمایا جائے
(حصہ نشر)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۹	سائی	پیمائی
۲	۱۴	کاروانِ حسرت	صاحبِ کاروانِ حسرت
۵	۱۶	زنبیلِ خیال	کاروانِ حسرت
۹	۸	جائدا یں	جائدا دیں
۱۴	۱۲	ڈنٹر (حصہ نظم)	ڈنٹر
۱۶	۸	منقبت	منقبت
۲۵	۹	رغب	رغب
۲۶	۹	لوے	لوے
۲۸	۸	گفتگو	گفتگو
۲۹	۱۲	جو	جو
۳۰	۱۳	ہو	ہو
۳۶	۱	کہے	کہے

التَّوَسُّعُ الْمَهْتَبُ

اس کتاب میں علامہ کے ایک باغی جامہ علامہ فضل حق خیلکادی نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی اور اپنی عمر قید کالیے پانی کے حالات لکھے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کتنا حصہ رہا ہے اور مسلمانوں کا کون سا حصہ (انگریز) نے ان پر کیا کیا ستم روا رکھے ہیں۔ ان کا ترجمہ مولانا حمید الشاہد خاں شرفی نے نہایت سلیس اردو میں کیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل عبارت بھی درج ہے شروع میں باغی جامہ کی مولوی جہات بھی ہے۔ ”باغی ہندوستان“ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا تعارف کر لیا ہے اور اس باغی جامہ کے ایک مکتوب گرامی مورخہ ۱۳۲۷ھ کا عکسی بلاک اور ضبط شدہ محل سرس کے دروازے کے اندر دینی دبیرونی منظر کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ صفحات (۵۰۰)۔ قیمت مجلد پانچ روپے (۱۵/۰)

کاروان خیال

مولانا ابوالکلام آزاد کے تازہ خطوط کا گرانقدر مجموعہ

ملک کو فلاح احمد نگر کی ایسری سے رہائی کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کے دوسرے مجموعہ خطوط کی اشاعت کا شدید انتظار تھا۔ ان خطوط کا دوسرا صحیفہ کاظم ان خیال ہے جس میں اسلامی ہند کے دو صدی نشین بزرگوں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حبیب الرحمن صدیر جنگ بہادر کی چھ سالہ خط و کتابت درج ہے شروع میں دونوں بزرگوں کی زندگی کے نمایاں واقعات پر ایک مقدمہ قلمبند کیا گیا ہے کاروان خیال میں علم حکمت، ادب، تاریخ کے وہ خزانے موجود ہیں جن کی ہمیں مدت سے تلاش تھی قیمت دو روپے آٹھ آنے۔ (۱۶/۰)

صلی کا پتہ

ادارہ علیہ: محمد علی روڈ علیگڑھ

